ملوکیت کا دوسرا دور

اور

یزید کی حقیقت



✍️ مصنف شاہد سلفی

ملوکیت کا دوسرا دور اور یزید کی حقیقت

مصنف: شاہد سلفی

فہرست مضامین

مقدمہ

الحمد للہ رب العالمین، والصلوٰۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین، وعلی آلہ وصحبہ اجمعین۔

اسلامی تاریخ کا سب سے دلخراش واقعہ سانحۂ کربلا ہے۔ یہ صرف ایک معرکہ نہیں بلکہ ملوکیت کے آغاز اور اس کے بھیانک نتائج کا کھلا ثبوت ہے۔ خلافتِ راشدہ کے بعد یہ سانحہ پیش آیا اور امت کو یہ باور کرایا کہ جب خلافت کے بجائے ملوکیت کا نظام قائم ہوتا ہے تو ظلم وجبر کے دروازے کھل جاتے ہیں۔

قرآن کریم نے ظالموں کی طرف میلان سے خبردار کرتے ہوئے فرمایا:

وَلَا تَرْكَنُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ (ھود:113)

"اور ظالموں کی طرف جھکاؤ نہ کرو ورنہ تمہیں آگ چھو لے گی۔"

اسی طرح رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

أفضل الجهاد كلمة عدل عند سلطان جائر

"سب سے افضل جہاد ظالم حکمران کے سامنے حق بات کہنا ہے۔" (سنن ابی داود، 4344)

یہی وہ مقصد تھا جس کے لیے امام حسین رضی اللہ عنہ نے کربلا کے میدان میں اپنی جان اور اپنے گھرانے کی قربانی پیش کی۔ افسوس کہ تاریخ کے اس روشن باب کو مسخ کرنے کی کوشش کی گئی۔ آج بھی کچھ اہل قلم ایسے ہیں جو یزید کے کردار کو سفید کرنے کے درپے ہیں۔ انہی میں ایک نام کفایت اللہ سنابلی کا ہے جنہوں نے اپنی کتاب "یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ" میں یزید کے خلاف آنے والی روایات کو حدیثی اصولوں پر پرکھنے کی کوشش کی۔ حالانکہ یہ اصول تاریخ پر منطبق نہیں ہوتے۔

کفایت اللہ سنابلی علمی صلاحیت رکھتے ہیں لیکن انصاف ان کے قلم میں نظر نہیں آتا۔ وہ بنو امیہ کے حق میں آنے والی روایات کو بآسانی قبول کر لیتے ہیں، مگر مخالف روایات کو تعصب کے ساتھ رد کر دیتے ہیں۔ میری یہ کتاب دراصل اسی تعصب کا علمی رد ہے۔ اس میں تاریخی مآخذ سے دلائل اور شواہد جمع کیے گئے ہیں تاکہ حقیقت واضح ہو اور امت کو معلوم ہو کہ یزید کی حقیقت کیا تھی اور کربلا میں اہل بیتؑ پر جو ظلم ڈھایا گیا وہ کس کے حکم پر ہوا۔

یہ کاوش ان تمام اہل فکر کے لیے ہے جو تعصب سے پاک ہو کر حق کی تلاش میں ہیں اور تاریخ کے اصل رخ کو دیکھنا چاہتے ہیں۔ امید ہے کہ یہ کتاب امت کو حق و باطل کے درمیان فرق کرنے میں مدد دے گی۔

معاویہ کی وفات اور یزید کی تخت نشینی

سنہ 60 ہجری میں معاویہ بن ابی سفیان کا انتقال ہوا۔ اس نے اپنی زندگی ہی میں اپنے بیٹے یزید کو ولی عہد مقرر کر دیا تھا، جس پر امت میں شدید اختلاف پیدا ہوا کیونکہ یہ خلافتِ راشدہ کے اصولوں کے بر خلاف اور ملوکیت کی بنیاد تھی۔ یزید کے تخت نشین ہوتے ہی اس کے لیے سب سے بڑا مسئلہ اہلِ مدینہ اور بالخصوص سیدنا حسین بن علیؓ، سیدنا عبد اللہ بن زبیرؓ، سیدنا عبد اللہ بن عمرؓ اور سیدنا عبد الرحمٰن بن ابی بکرؓ جیسے اکابرینِ صحابہ سے بیعت لینا تھا۔ یزید نے مدینہ کے گورنر ولید بن عتبہ بن ابی سفیان کے نام خط بھیجا جس میں یہ حکم دیا کہ سب سے پہلے حسین بن علیؓ اور عبد اللہ بن زبیرؓ سے بیعت لی جائے، اور اگر وہ انکار کریں تو سختی سے کارروائی کی جائے (تاریخ طبری 5/337، البدایہ والنہایہ 8/157)۔

ولید نے سب سے پہلے مروان بن حکم سے مشورہ کیا۔ مروان نے کہا: "اگر حسینؓ اور ابن زبیرؓ ابھی نکل گئے تو تم ان پر کبھی قابو نہیں پا سکو گے۔ بہتر یہ ہے کہ انہیں ابھی بلا کر بیعت لو، اور اگر وہ انکار کریں تو ان کی گردن اڑا دو" (الکامل فی التاریخ 3/404)۔

چنانچہ ولید نے سیدنا حسینؓ کو بلایا۔ حسینؓ اپنے خاندان کے کچھ نوجوانوں کے ساتھ محل کے دروازے پر پہنچے اور کہا کہ اگر اندر کوئی خطرہ ہوا تو وہ دفاع کریں گے۔

ولید نے یزید کا خط دکھایا اور بیعت کے لیے کہا۔ اس پر امام حسینؓ نے فرمایا: "ایسی اہم بات رات کے اندھیرے میں چھپ کر نہیں کی جاتی۔ جب کل عام لوگوں کے سامنے بیعت لی جائے گی تو ہم دیکھ لیں گے" (تاریخ طبری 5/338، البدایہ والنہایہ 8/158)۔

تاریخی سیاق وسباق: واقعہ بیعت امام حسینؓ

بعض روایات کے مطابق، مروان نے بعد میں ولید بن عتبہ کو طعنہ دیا کہ:

"تم نے حسین کو چھوڑ کر بڑی غلطی کی، اب وہ ہاتھ نہیں آئیں گے۔"

طبری (تاریخ الامم والملوک) اور ابن اثیر (الکامل فی التاریخ) جیسے مؤرخین نے اس واقعے کو یوں بیان کیا کہ مروان بعد میں ولید پر بھڑکا — نہ کہ حسینؓ کے سامنے محل میں۔

مستند حوالہ: تاریخ طبری

تاریخ طبری، جلد 5، صفحہ 338 کے مطابق:

مروان نے ولید سے کہا:

"اگر تم نے آج حسین سے بیعت نہ لی تو وہ تمہارے ہاتھ سے نکل جائے گا، اور تم کبھی انہیں قابو نہیں پا سکو گے۔ بہتر ہوتا کہ تم انہیں روک لیتے۔"

ولید نے جواب دیا:

"اے مروان! تم مجھے ایسے شخص کے قتل کا مشورہ دے رہے ہو جو نیکی اور تقویٰ کا پیکر ہے؟ نہیں، ہرگز نہیں۔"

"ولید نرم دل تھا، اس نے سختی نہ کی، اور مروان بعد میں ناراض ہوا۔"

اسی دوران عبد اللہ بن زبیرؓ کو بھی بلایا گیا لیکن وہ رات ہی میں مدینہ سے نکل گئے اور مکہ پہنچ گئے، جہاں ولید ان پر قابو نہ پا سکا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ یزید کی خلافت کا آغاز ہی اہل مدینہ اور اہل مکہ کی سخت مخالفت سے ہوا۔

امام حسینؓ نے مدینہ میں بیعت سے انکار کیا اور مکہ روانہ ہو گئے جبکہ ابن زبیرؓ بھی مکہ پہنچ کر ڈٹ گئے۔ یہی وہ پہلا واقعہ تھا جس نے یزید کے دور کو فساد اور خونریزی کے آغاز سے مشہور کر دیا۔

مدینہ سے مکہ کی ہجرت اور اہل بیتؓ کا قیام

یہ پورا واقعہ رجب 60 ہجری میں پیش آیا، جب معاویہ بن ابی سفیان کی وفات ہوئی اور یزید تخت نشین ہوا (تاریخ طبری 5/337، البدایہ والنہایہ 8/157)۔

یزید کے حکم پر مدینہ کے گورنر ولید بن عتبہ بن ابی سفیان نے حضرت حسینؓ اور حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کو بلا کر بیعت کا مطالبہ کیا۔ ولید نرم مزاج تھا لیکن مروان بن حکم نے اسے سختی پر اُکسایا۔ اس موقع پر عبد اللہ بن زبیرؓ نے وقت حاصل کر کے رات ہی مکہ کی طرف روانگی اختیار کی۔ وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ نکلے اور مختلف راستوں سے ہو کر مدینہ کے ہرکاروں سے بچ نکلے اور مکہ پہنچ گئے، جہاں انہوں نے یزید کی بیعت کے خلاف کھلی مخالفت شروع کر دی (الکامل فی التاریخ 3/404، طبری 5/338)۔

حضرت حسینؓ نے بیعت سے انکار کر کے چند روز مدینہ میں قیام فرمایا، پھر آپؓ نے اپنے اہل بیت کے ساتھ مدینہ چھوڑ دیا۔ اس سفر میں آپؓ کی ہمشیرہ سیدہ زینبؓ، اُم کلثومؓ، آپ کی بیٹیاں جن میں سکینہؓ بھی شامل تھیں، آپؓ کے بھتیجے اور فرزند حسنؓ کے بیٹے سب شریک تھے (ابن اثیر، الکامل فی التاریخ 3/400)۔

یہ روانگی بھی رجب ہی کے آخر میں ہوئی اور سید الشہداءؓ مکہ مکرمہ پہنچ گئے۔ وہاں آپؓ نے تقریباً چار ماہ قیام فرمایا، یعنی شعبان، رمضان، شوال اور ذوالقعدہ۔ اس دوران آپؓ نے شعبِ ابی طالب میں سکونت اختیار کی، جبکہ ابن زبیرؓ نے حرم میں پناہ لی (ابن کثیر، البدایہ والنہایہ 8/158)۔

امام حسینؓ کی مکہ آمد اور یزید کی تشویش

امام حسین بن علیؓ جب مدینہ سے مکہ مکرمہ تشریف لائے تو آپؓ کا مقصد امن و امان کے ماحول میں امت کو بیدار کرنا اور یزید کی جبری حکومت کے خلاف حق کا پیغام پہنچانا تھا۔

آپؓ کی مکہ میں موجودگی نے عوام کے دلوں میں ایک نیا جوش پیدا کیا۔ حجاز، یمن اور عراق سے آنے والے حاجی آپؓ کی مجلسوں میں شریک ہوتے، آپ کی باتوں کو توجہ سے سنتے اور آپؓ کی قیادت کے لیے آمادہ دکھائی دیتے تھے۔

اس صورتِ حال نے یزید حکومت کے لیے شدید تشویش پیدا کی۔

خوارزمی اپنی معروف کتاب مقتل الحسین (ج 1، ص 190) میں روایت کرتے ہیں کہ عمر بن سعد، جو اس وقت امیر الحاج تھا، نے جب حاجیوں کے درمیان امام حسینؑ کی مقبولیت اور لوگوں کے بڑھتے ہوئے رجحان کو دیکھا تو فوراً مدینہ روانہ ہوا اور وہاں سے یزید کو خط لکھا۔

اس نے یزید کو آگاہ کیا کہ حسین بن علیؑ مکہ میں ہیں اور لوگ ان کی طرف مائل ہو رہے ہیں، جس کے نتیجے میں یزید کی حکومت کے لیے خطرہ بڑھ سکتا ہے۔

خوارزمی کے بقول، یہ روایت ابن اعثم کوفی کی تاریخ کے اس قدیم نسخے میں موجود تھی جو ان کے عہد میں رائج تھا، اگرچہ موجودہ نسخوں میں یہ عبارت حذف ہو چکی ہے۔

یہ اطلاع ملنے پر یزید نے ولید بن عتبہ (والی مدینہ) اور بعد ازاں عمرو بن سعید بن عاص کو حکم دیا کہ حسین بن علیؑ پر نظر رکھی جائے، تاکہ کوئی سیاسی یا عوامی تحریک ابھرنے نہ پائے۔

امام طبری (تاریخ الطبری، ج 5، ص 339) اور ابن کثیر (البدایہ والنہایہ، ج 8، ص 164) نے بھی اس بات کی تائید کی ہے کہ امام حسینؑ کی مکہ موجودگی نے اموی حکومت میں اضطراب پیدا کر دیا تھا۔

یہ واقعہ اس حقیقت کو ظاہر کرتا ہے کہ امام حسینؑ کی تحریک کا آغاز کسی ذاتی مفاد یا اقتدار کے حصول کے لیے نہیں بلکہ باطل حکومت کے خلاف ایک اخلاقی و ایمانی قیام تھا۔

مکہ میں آپؓ کا قیام یزید کی حکومت کے لیے محض سیاسی خطرہ نہیں بلکہ روحانی چیلنج بن چکا تھا، کیونکہ امام حسینؓ کے وجود سے امت کو احساس ہو رہا تھا کہ اسلام صرف نماز، روزہ اور حج تک محدود نہیں بلکہ زمین پر اللہ کے عدل و حکم کا قیام بھی اس کی اصل روح ہے۔

امام حسینؓ کا حج منسوخ کر کے کوفہ کی طرف روانہ ہونا

جب امام حسین بن علیؓ مکہ مکرمہ میں قیام پذیر تھے تو اہلِ کوفہ کے ہزاروں خطوط آپؓ تک پہنچے جن میں یزید کی ظالمانہ حکومت کے خلاف قیادت کی درخواست کی گئی تھی۔

مؤرخین کے مطابق، بارہ ہزار سے زائد خطوط امام حسینؓ کے نام بھیجے گئے، جن میں مختلف قبائل کے نمائندے بیعت اور وفاداری کا وعدہ کر رہے تھے۔

آپؓ نے تحقیق کے لیے حضرت مسلم بن عقیلؓ کو کوفہ روانہ کیا، جنہوں نے حالات کا مشاہدہ کر کے لکھا کہ "لوگ آپ کے انتظار میں ہیں، بیعت کر چکے ہیں، آپ آجائیں"

(تاریخ الطبری، ج 5، ص 347؛ الکامل لابن اثیر، ج 3، ص 271)۔

اسی دوران یزید نے عمرو بن سعید بن عاص کو مکہ کا گورنر بنا کر خفیہ طور پر یہ حکم دیا کہ اگر حسین بن علیؓ حج کے موقع پر عوام کے درمیان آواز بلند کریں یا تحریک چلائیں تو فوراً ان کو گرفتار کر لیا جائے، خواہ احرام کی حالت میں ہی کیوں نہ ہوں

(البدایہ والنہایہ، ابن کثیر، ج8، ص166)۔ امام حسینؓ کو جب اس سازش کا علم ہوا تو آپؓ نے فرمایا:

"میں اس گھر (کعبہ) کی حرمت پامال نہیں ہونے دوں گا۔"

(مقتل الحسین للخوارزمی، ج1، ص195)

چنانچہ حج سے چند دن پہلے آپؓ نے احرامِ حج کو عمرہ میں بدل دیا اور 8 ذوالحجہ (یومِ الترویہ) کو مکہ سے روانہ ہو گئے۔

یہ فیصلہ ایک بہت بڑا دینی اور اخلاقی اعلان تھا کہ اسلام صرف ظاہری عبادات تک محدود نہیں بلکہ اس کی روح ظلم کے نظام کو للکارنا ہے۔ اگر امام حسینؓ صرف عبادت کو مقصد سمجھتے تو وہ کعبہ میں رہتے؛ مگر انہوں نے واضح کر دیا کہ جب ظلم کے مقابلے میں خاموشی اختیار کی جائے تو حج بھی بے روح رہ جاتا ہے۔

امام حسینؓ نے کوفہ کا قصد اقتدار حاصل کرنے کے لیے نہیں بلکہ امت کو بیدار کرنے، یزید کی جبری حکومت کے خلاف آواز بلند کرنے اور یہ اعلان کرنے کے لیے کیا کہ اسلام کی اصل روح عدل، آزادی اور حق کی گواہی ہے۔

جیسا کہ آپؓ نے مکہ سے روانگی کے وقت فرمایا:

"میں خروج اس لیے نہیں کر رہا کہ فساد برپا کروں یا ظلم کروں، بلکہ صرف اصلاحِ امتِ جدی ﷺ کے لیے جا رہا ہوں۔"

(البدایہ والنہایہ، ابن کثیر، ج8، ص168؛ تاریخ الطبری، ج5، ص350)

امام حسینؓ کے اس عمل نے یہ واضح کر دیا کہ دین کی حفاظت صرف مسجدوں اور خانقاہوں میں بیٹھ کر نہیں بلکہ ظلم کے مقابلے میں عمل سے ہوتی ہے۔ آپؓ نے امت کو یہ سبق دیا کہ اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد — یعنی جب بھی باطل سر اٹھائے گا، حسینیت اسے للکارے گی۔

حضرت حسینؓ کا مقصدِ قیام — خلافت نہیں، قربانی

امام حسینؓ کا قیام محض سیاسی اقتدار یا خلافت حاصل کرنے کی کوشش نہیں تھا، بلکہ ایک روحانی، اخلاقی، اور ایمانی قربانی تھی جس کا مقصد امت کو غفلت سے جگانا اور ظلم کے خلاف ابدی پیغام دینا تھا۔ اگر مقصد خلافت یا اقتدار ہوتا تو امام حسینؓ اس وقت مکہ میں ہی عوامی بیعت سے ایک حکومت قائم کر سکتے تھے، کیونکہ ہزاروں حاجیوں کی موجودگی میں ان کے لیے حمایت حاصل کرنا مشکل نہ تھا۔ مگر آپؓ نے واضح طور پر فرمایا:

"میں خروج نہ فساد کے لیے کر رہا ہوں، نہ ظلم کے لیے، نہ فخر و ریا کے لیے؛ بلکہ میں اپنے نانا ﷺ کی امت میں اصلاح چاہتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کروں، اور اپنے نانا و والد علیؓ کی سیرت پر چلوں۔"

(تاریخ الطبری، ج 5، ص 350؛ البدایہ والنہایہ، ج 8، ص 168؛ مقتل الحسین للخوارزمی، ج 1، ص 216)

امام حسینؓ کو معلوم تھا کہ یزید کی حکومت نے اسلامی خلافت کے نظام کو ملوکیت میں بدل دیا ہے۔ اگر خلافت واقعی اہلِ شوریٰ کے فیصلے سے قائم ہوتی، تو حسینؓ کو کوئی اعتراض نہ ہوتا، مگر یزید کو نام نہاد موروثی طریقے سے مسند پر بٹھایا گیا جو نہ شوریٰ سے منظور شدہ تھا اور نہ امت کے اتفاق سے۔

چنانچہ آپؓ نے فرمایا کہ:

"یزید پر خلافت کا حق نہیں، وہ شراب نوش، فاسق، اور ظالم ہے؛ میرے جیسے شخص کے لیے اس کی بیعت ممکن نہیں۔"

(ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج 8، ص 230؛ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج 3، ص 272)

امام حسینؓ کا خروج دراصل قربانی کا اعلان تھا، اقتدار کی دوڑ نہیں۔ آپؓ کو علم تھا کہ کوفہ کے لوگ کمزور عزم کے ہیں، مگر آپؓ نے یہ قربانی اس لیے قبول کی کہ امت کے ضمیر کو جھنجھوڑا جا سکے۔

اگر حسینؓ خاموش رہتے تو ظلم ہمیشہ کے لیے "اسلامی حکومت" کے پردے میں چھپ جاتا۔ آپؓ نے اپنا، اپنے اہلِ بیت کا، حتیٰ کہ معصوم بچوں تک کا خون دے کر یہ ثابت کیا کہ اسلام کا جینا صرف مسجد و محراب میں نہیں، بلکہ میدانِ عمل میں بھی لازم ہے۔

یہی وجہ ہے کہ محدثین و مؤرخین نے لکھا:

"اسلام کی بقا حسین کی قربانی کے صدقے میں ہے؛ اگر حسین خاموش رہتے تو حق و باطل میں فرق مٹ جاتا۔"

(البدایہ والنہایہ، ج8، ص231؛ تذکرۃ الخواص، ص146)

امام حسینؓ کا یہ پیغام آج بھی امت کے لیے مشعلِ راہ ہے کہ جب ظالم نظام دین کی روح کو مسخ کرے، تو خاموشی گناہ بن جاتی ہے۔ آپؓ نے اپنے خون سے یہ لکھ دیا کہ "اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد۔"

ذوالحجہ 60 ہجری میں جب کوفہ سے مسلسل خطوط امام حسینؓ تک پہنچے اور ہزاروں اہل کوفہ نے آپ کو اپنے پاس بلایا تو آپؓ نے عراق کی طرف روانگی کا فیصلہ فرمایا(تاریخ طبری 5/339، البدایہ والنہایہ 8/158)۔

یوں صرف چند ہی دنوں میں یزید کے اقتدار کے خلاف مدینہ اور مکہ دونوں مراکز کھڑے ہو گئے اور بیعت کا مطالبہ ناکام ہو گیا۔ یہ وہ مرحلہ تھا جس نے یزید کی خلافت کو ابتدا ہی سے بحران اور مخالفت کا شکار بنا دیا۔

کوفہ کے حالات اور خطوط کا آغاز

اس وقت کوفہ میں گورنر صحابیِ رسول ﷺ نعمان بن بشیر انصاریؓ تھے۔ وہ نرم دل اور درگزر کرنے والے تھے، اسی لیے سختی نہیں کرتے تھے۔

کوفہ کے حالات پہلے ہی بگڑ چکے تھے، کیونکہ اہلِ کوفہ حجر بن عدیؓ اور ان کے ساتھیوں کے قتل، زیاد بن ابیہ کی ظلم پر مبنی سختیوں اور ولید بن عقبہ کی شراب نوشی جیسے واقعات سے سخت بیزار تھے۔ ان مظالم نے کوفہ میں اہلِ بیت کی محبت کو مزید بڑھا دیا تھا۔

ان حالات میں بزرگ صحابی سلیمان بن صرد خزاعیؓ نے اہلِ کوفہ کو منظم کیا اور امام حسینؓ کو خط لکھا کہ:

"ہم آپ کے ساتھ ہیں، ہمارے پاس کوئی امام نہیں ہے، لہٰذا آپ کوفہ آجائیں، ہم آپ کو خلیفہ بنائیں گے۔"

(تاریخ طبری 5/347؛ البلاذری، انساب الاشراف 3/158)

یہ صرف ایک خط نہ تھا بلکہ مسلسل خطوط کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ مختلف روایات میں ان خطوط کی تعداد مختلف بیان ہوئی ہے —

بعض کے مطابق یہ خطوط سینکڑوں میں تھے، بعض نے ان کی تعداد ہزاروں تک بتائی (ابن کثیر، البدایہ والنہایہ 8/161)۔

ان سب کا مشترکہ پیغام یہ تھا کہ اہلِ کوفہ یزید کی موروثی خلافت کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں اور اگر امام حسینؓ تشریف لائیں تو وہ آپؓ کو خلیفہ منتخب کریں گے۔

اہلِ کوفہ کی اس نفسیات کے پیچھے ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ جانتے تھے کہ حضرت معاویہؓ کی عمر بڑھ چکی ہے اور ان کے بعد امت کو کسی صالح اور باکردار امام کا انتخاب کرنا چاہیے۔ مگر جب یزید کی ولایتِ عہد اور تخت نشینی کا اعلان ہوا تو انہیں یہ سخت ناگوار گزرا۔

ان کے نزدیک یہ خلافت نہیں بلکہ ملوکیت تھی، جس سے امت کے اختیارات صرف خاندانِ اموی تک محدود ہو جائیں گے اور عوامی نظام جاگیرداری میں بدل جائے گا۔

ان پرجوش خطوط اور اعلانات نے امام حسینؓ کو سوچنے پر مجبور کر دیا۔ اگرچہ آپؓ صبر، حلم اور حکمت کے پیکر تھے، مگر کوفہ کی بگڑتی صورتِ حال اور امت کے ممکنہ زوال نے آپؓ کے دل میں اضطراب پیدا کیا۔

تاہم آپؓ نے جذبات میں کوئی فوری فیصلہ نہیں کیا۔ آپؓ نے حقیقت پسندی سے سوچا کہ پہلے حالات کا جائزہ لیا جائے تاکہ یہ پرکھا جا سکے کہ کوفہ والوں کا جوش و جذبہ حقیقی ہے یا محض وقتی جذباتی ردعمل۔

اسی مقصد کے لیے امام حسینؓ نے اپنے چچازاد بھائی حضرت مسلم بن عقیلؓ کو کوفہ بھیجا۔ ان کا مشن یہ تھا کہ وہ اہلِ کوفہ کے حوصلے، سرداروں کے عزم اور ان کی بیعت کے خلوص کو جانچیں اور دیکھیں کہ آیا وہ واقعی حق کے لیے قربانی پر تیار ہیں یا نہیں۔

اس طرح مسلم بن عقیلؓ کی روانگی امام حسینؓ کا ایک سوچا سمجھا اور حقیقت پسندانہ قدم تھا، جس کا مقصد محض بیعت لینا نہیں بلکہ امت کی بقا اور حق کے قیام کے لیے حالات کی ٹھوس جانچ کرنا تھا۔

امام حسینؓ کے موقوف کی تحقیقی جھلک

اہلِ کوفہ کے لگاتار اور پرجوش خطوط نے امام حسینؓ کو سوچنے پر آمادہ کیا، لیکن آپؓ نے فوری اقدام کے بجائے دانشمندانہ اور محتاط رویہ اختیار کیا۔

آپؓ کا پہلا فیصلہ یہ تھا کہ ان خطوط اور دعووں کی پائیداری کا عملی جائزہ لیا جائے۔ اسی مقصد سے آپؓ نے اپنے چچازاد بھائی اور نہایت معتمد شخصیت مسلم بن عقیل کو بطور نمائندہ و سفیر کوفہ بھیجا۔

مسلم بن عقیل کا فریضہ صرف بیعت لینا نہ تھا بلکہ سردارانِ کوفہ سے وعدے لینا، عوامی تائید کا عملی پیمانہ دیکھنا، اور یہ پرکھنا تھا کہ آیا یہ جوش و جذبہ وقتی ہے یا واقعی خون و قربانی کی بنیاد تک پہنچنے والا ہے۔

امامؑ کا اصولی موقف بالکل واضح تھا کہ وہ خفیہ اور ذاتی بیعت کے قائل نہیں، بلکہ بیعت کو علانیہ، عوامی اور شفاف عمل کے طور پر دیکھتے تھے۔

یہی وجہ ہے کہ آپؓ نے خود بیعت لینے کے بجائے پہلے حالات کی جانچ پڑتال کو ضروری سمجھا۔ اس کے ساتھ ساتھ امامؑ کو کوفہ کی مقامی سیاست اور گورنری کی پیچیدگیوں کا بھی ادراک تھا؛ لہٰذا نمائندہ بھیجنے کا فیصلہ ایک محتاط اور ذمہ دارانہ اقدام تھا، جو آپؓ کی دور اندیشی اور امت کی فلاح کے لیے گہری فکر کا ثبوت ہے۔

یوں امام حسینؓ کے موقف کے چند بنیادی پہلو سامنے آتے ہیں: خطوط کے اثر نے آپؓ کے دل میں ایک نیا سوال پیدا کیا، مگر آپؓ نے بے صبری یا جذباتیت کا راستہ اختیار نہیں کیا؛ بلکہ تحقیق، اطمینان اور امت کے اجتماعی مفاد کو مقدم رکھا۔

مسلم بن عقیل کی روانگی اس بات کی دلیل ہے کہ امامؑ ہر قدم دین کے اصول، شریعت کے ضابطے اور حکمتِ عملی کے ساتھ اٹھاتے تھے۔

اہم مآخذ

تاریخ الطبری (تاریخ الامم والملوک) — کوفہ کے خطوط، مسلم بن عقیل کی روانگی اور کوفی دعوت کی تفصیلات۔

البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) — مآخذ کا جامع خلاصہ، مسلم بن عقیل کے قیام اور بعد کے حالات کی وضاحت۔

الکامل فی التاریخ (ابن اثیر) — طبری اور دیگر روایات کی ترتیب اور جامع تفسیر۔

انساب الاشراف (البلاذری) — اہلِ کوفہ کی کیفیت اور خطوط کے عمومی تذکرے

اصولی وضاحت: حدیث اور تاریخ کے اصول

آج کے دور میں کچھ افراد، خصوصاً کفایت اللہ سنابلی اور ان کے ہم خیال لوگ، واقعہ کربلا کے انکار یا اس کی روایات کو ناقابلِ اعتبار قرار دینے کی جسارت کرتے ہیں۔

ان کے طرزِ فکر کی بنیادی خطا یہ ہے کہ وہ حدیث کے اصولِ نقد و جرح کو تاریخ پر لاگو کر دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ دونوں شعبے الگ ہیں اور خود محدثین نے اس فرق کو واضح کیا ہے۔

اصولی حقیقت یہ ہے کہ محدثین نے جرح و تعدیل اور سخت اسناد کی چھان بین زیادہ تر احادیثِ احکام اور سنتِ رسول ﷺ کی حفاظت کے لیے کی تھی، جبکہ تاریخی واقعات کے باب میں طریقہ الگ رہا ہے۔

اگر حدیثی معیار کو تاریخ پر جوں کا توں نافذ کیا جائے تو پوری تاریخِ اسلام، خصوصاً پہلی صدی ہجری کے بیشتر واقعات کو سرے سے رد کرنا پڑے گا، کیونکہ مورخین کا اسناد کا معیار مختلف تھا۔

بڑے محدثین و محققین نے اس فرق کو صاف بیان کیا ہے۔ امام ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ تاریخی روایات اور احادیث کی جانچ کے اصول جدا ہیں، تاریخ میں زیادہ اہمیت متن، واقعات کی مطابقت اور سماجی حالات کو دی جاتی ہے (تقریب التہذیب، ج2، ص123)۔

امام شمس الدین ذہبی وضاحت کرتے ہیں کہ تاریخ میں بعض روایات سنداً ضعیف ہونے کے باوجود قرائن و شواہد کی بنیاد پر معتبر سمجھی جاتی ہیں (تاریخ الاسلام، ج 3، ص 287)۔

اسی طرح ابن تیمیہ نے بھی کہا کہ تاریخ کو پرکھنے کا معیار حدیث سے مختلف ہے، اور اس میں حالات، اسباب اور متوازی واقعات کو دیکھنا ضروری ہے (مجموع الفتاویٰ، ج 19، ص 192)۔

اسی اصول پر معاصر محققین نے بھی زور دیا ہے۔ ڈاکٹر صالحی نجف آبادی اپنی کتاب تاریخ کی روشنی میں خلافتِ امویہ میں لکھتے ہیں کہ تاریخی تحقیق میں سند کی سختی وہ حیثیت نہیں رکھتی جو حدیث میں ہے، بلکہ اس کے ساتھ متن اور حالاتِ معاشرہ کو بھی دیکھنا پڑتا ہے۔

ڈاکٹر علی الصلابی نے بھی اپنی تحقیق الخلافة الراشدة والدولة الأموية میں وضاحت کی ہے کہ اگرچہ اموی دور کی بعض روایات سند کے لحاظ سے کمزور ہیں، مگر تاریخی شواہد، خطوط، معاصر کتب اور سیاسی حالات کی روشنی میں ان پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔

لہٰذا یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ حدیث اور تاریخ میں اصول الگ الگ ہیں۔ حدیث کو صرف اسناد سے پرکھا جاتا ہے، لیکن تاریخ کی جانچ میں متن، حالات، سیاسی و سماجی قرائن اور متوازی مآخذ کو دیکھنا ضروری ہے۔

جو لوگ، مثلاً کفایت اللہ سنابلی، محض سند کی بنیاد پر واقعہ کربلا یا دیگر تاریخی حقائق کا انکار کرتے ہیں وہ علمی اصولوں کو خلط ملط کر کے بد دیانتی کے مرتکب ہوتے ہیں

یہی وجہ ہے کہ امام طبری، ابن کثیر، بلاذری، مسعودی اور ابن اثیر جیسے بڑے مورخین نے تمام روایات نقل کر دیں تاکہ اہلِ تحقیق قرائن کی روشنی میں انہیں پرکھ سکیں۔ اگر سنابلی جیسے حضرات کا معیار مان لیا جائے تو پوری تاریخِ اسلام محو ہو کر رہ جائے۔"

مسلم بن عقیل کا کوفہ میں قیام اور بیعت

جب حضرت مسلم بن عقیلؓ کوفہ پہنچے تو انہوں نے مختار بن ابی عبید ثقفی کے گھر قیام کیا۔ مختار کا تعلق ایک معزز خاندان سے تھا، ان کے والد عبید بن عمرو ثقفی ان جلیل القدر صحابہ میں سے تھے جنہوں نے ایران و عراق کی فتوحات میں نمایاں کردار ادا کیا تھا

(ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج 3، ص 406)۔ اسی وجہ سے مختار کا گھر سیاسی و سماجی اعتبار سے اہلِ کوفہ میں ایک اہم مرکز سمجھا جاتا تھا۔

حضرت مسلم بن عقیل کے قیام کے دوران کوفہ کے ہزاروں لوگوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔ بعض روایات کے مطابق بیعت کرنے والوں کی تعداد 10 سے 12 ہزار تک پہنچ گئی (تاریخ طبری، ج 5، ص 354؛ البدایہ والنہایہ، ج 8، ص 164)۔

یہ بیعت اس بات کی علامت تھی کہ اہلِ کوفہ اہلِ بیتؑ کے ساتھ گہری وابستگی اور خلافت کے اصولی تصور پر قائم تھے، اور ان کا یہ اقدام محض وقتی جوش یا فرقہ وارانہ تعصب کا نتیجہ نہیں تھا۔

کوفہ کی تاریخی و سماجی اہمیت

کوفہ اور بصرہ اصل میں فوجی چھاؤنیاں تھیں جو فتوحاتِ عراق و ایران کے بعد بڑے اسلامی مراکز میں تبدیل ہو گئیں۔ ان شہروں میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے طویل عرصہ قیام کیا اور اہلِ اسلام کی تعلیم و تربیت کی۔

مثلاً عمار بن یاسرؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ نے کوفہ میں نہ صرف قضا اور تعلیم کا نظام قائم کیا بلکہ اسلامی عدل و مساوات کی بنیادیں مضبوط کیں

(ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج6، ص7)۔ اس ماحول نے اہلِ کوفہ کو سیاسی بصیرت اور دینی شعور عطا کیا۔

اس پس منظر میں حضرت مسلم بن عقیلؑ کے ہاتھ پر ہونے والی بیعت ایک غیر معمولی واقعہ تھی۔ یہ بیعت اس بات کی غمازی کرتی ہے کہ اہلِ کوفہ اسلام اور اہلِ بیتؑ کی قیادت کو دل سے تسلیم کرتے تھے،

اور ان کا فیصلہ محض قبائلی تعصب یا فرقہ بندی نہیں بلکہ دینی اصولوں اور اسلامی شعور پر مبنی تھا۔ لہٰذا یہ کہنا کہ کوفہ ایک غیر ذمہ دار یا غیر سنجیدہ آبادی تھی، تاریخی حقائق کے منافی ہے۔

دراصل مختار ثقفی کے گھر میں ہونے والی یہ بیعت اس بات کا ثبوت ہے کہ اہلِ کوفہ کے فیصلے سیاسی بصیرت، شجاعت اور اسلامی وابستگی پر مبنی تھے (تاریخ طبری، ج5، ص354؛ ابن اثیر، ج3، ص406؛ البدایہ والنہایہ، ج8، ص164)۔

عراق میں اہلِ کوفہ وبصرہ اور مسلم بن عقیل کی اطلاع

جب مسلم بن عقیل کوفہ پہنچے تو انہوں نے امام حسینؑ کے مشن کے لیے لوگوں سے ملاقاتیں کیں اور خطوط و رابطے قائم کیے۔ ان خطوط کے جواب میں اہلِ کوفہ اور اہلِ بصرہ کے بڑے بڑے صحابہ اور تابعین نے امام حسینؑ کی حمایت اور اپنی جان قربان کرنے کی آمادگی ظاہر کی۔ یہ خطوط آج بھی تاریخ میں محفوظ ہیں، جو واضح کرتے ہیں کہ لوگ یزید کی جبری حکومت کے مقابلے میں اٹھ کھڑے ہونا چاہتے تھے۔

(تاریخ طبری، ج5، ص353؛ بلاذری، انساب الاشراف، ج3، ص146)

بصرہ کی صورتحال

53 ہجری میں زیاد بن ابیہ کا انتقال ہوا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا عبید اللہ بن زیاد مختلف مناصب پر فائز رہا۔ اسے خراسان اور بصرہ کی حکومت دی گئی، اور 55 سے 60 ہجری تک وہ بصرہ کا گورنر رہا۔

(الکامل فی التاریخ، ابن اثیر، ج3، ص225)

یہ وہ دور تھا جب اہلِ بصرہ کے درمیان بھی یزید کی خلافت کے بارے میں بے چینی موجود تھی۔ مسلم بن عقیل نے بصرہ کے اہم قبائل کو بھی خطوط لکھے اور ان میں سے کئی افراد نے امام حسینؑ کی نصرت کا وعدہ کیا۔

(تاریخ طبری، ج5، ص354)

کوفہ کی صورتحال

کوفہ میں اس وقت کے گورنر حضرت نعمان بن بشیر انصاریؓ تھے، جو جلیل القدر صحابی تھے۔ ان کے بارے میں مورخین لکھتے ہیں کہ وہ نرم خو اور دین دار تھے، لیکن سخت انتظامی قابو رکھنے والے نہ تھے۔ یہی وجہ تھی کہ اہلِ کوفہ میں امام حسینؓ کے لیے ایک بڑی تحریک پیدا ہوئی۔

(انساب الاشراف، ج3، ص150؛ تاریخ طبری، ج5، ص355)

اہلِ عراق میں صحابہ کرام کی ایک تعداد شام کے اموی لشکر کے ساتھ تھی، جن میں عَمرو بن عاصؓ، مغیرہ بن شعبہ، بسر بن ارطات، اور ان جیسے چند افراد کا ذکر ملتا ہے۔ تاہم، اکثریت کے جذبات حضرت علیؓ اور اہلِ بیت کی وفاداری کے ساتھ تھے۔ اسی لیے سلیمان بن صرد خزاعی، مسیب بن نجیہ، رفاعہ بن شداد اور دیگر بزرگ شخصیات نے مسلم بن عقیل کی بیعت کی تحریک میں عملی کردار ادا کیا۔

(الاخبار الطوال، دینوری، ص243؛ تاریخ طبری، ج5، ص356)

نتیجہ

یہ تمام منظرنامہ ظاہر کرتا ہے کہ اہلِ کوفہ وبصرہ یزید کی طاقت کے خوف سے نہیں، بلکہ اصول، شجاعت اور اسلامی شعور کی بنیاد پر فیصلہ کر رہے تھے۔ مسلم بن عقیل کو بھیجے گئے خطوط اور ان کے جوابات اس بات کی گواہی

ہیں کہ عوام امام حسینؓ کے ساتھ کھڑے ہو کر اسلام اور اہلِ بیت کی حفاظت کے لیے اپنی جان قربان کرنے کے لیے تیار تھے۔

نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کا موقف اور کوفہ کی سیاسی صورتحال

جب مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کوفہ پہنچے اور اہلِ کوفہ نے ان کے ہاتھ پر بیعت کرنا شروع کی، تو یہ خبر کوفہ کے گورنر حضرت نعمان بن بشیر انصاری رضی اللہ عنہ تک پہنچی۔ وہ ایک جلیل القدر صحابی اور بہادر شخصیت تھے، لیکن اس معاملے میں ان کا رویہ نرم تھا۔ ان کا موقف یہ تھا کہ جب تک کوئی شخص کھلے عام قانون اور نظم کو چیلنج نہیں کرتا، اس پر سخت کارروائی کرنا درست نہیں۔

نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی اس نرم پالیسی کا فائدہ یزید کے حامیوں نے اٹھایا۔ انہوں نے دمشق یزید بن معاویہ کو اطلاع دی کہ کوفہ کا گورنر حالات کو سنجیدگی سے نہیں لے رہا۔ اس اطلاع کے بعد یزید نے بصرہ کے گورنر عبید اللہ بن زیاد کو حکم دیا کہ وہ فوراً کوفہ پہنچے اور مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کے خلاف سخت اقدام کرے۔ یہی وہ فیصلہ تھا جس کے نتیجے میں عبید اللہ بن زیاد نے کوفہ کی سیاست پر قابض ہو کر امام حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے خلاف خطرناک اقدامات اٹھائے۔

یہ تمام واقعات اس بات کی گواہی ہیں کہ اہلِ کوفہ نے اصولی بنیاد پر امام حسین رضی اللہ عنہ کی نصرت کا عہد کیا تھا۔ اگرچہ نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی نرم پالیسی اور یزیدی سازشوں نے ماحول کو بگاڑا، مگر اس کے باوجود ہزاروں لوگوں نے مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی اور یزید کی موروثی بادشاہت کے خلاف آواز بلند کی۔

تاریخی حوالے

البدایہ والنہایہ (جلد 8، ص 191، مترجم اردو، نفیس اکیڈمی کراچی)

امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

"یزید نے کوفہ کے گورنر کو لکھا تھا کہ حسینؓ تیرے شہر کا رخ کر رہا ہے، اب یہ تیرے اوپر منحصر ہے کہ آزاد رہ کر زندگی گزارتا ہے یا غلامی اختیار کرتا ہے۔

کوفہ کے گورنر عبید اللہ بن زیاد نے اپنی دنیا بچانے کے لیے حسینؓ کو شہید کیا اور ان کا سر یزید کے پاس بھیجا۔"

تاریخ الاسلام (امام ذہبی، جلد 5، ص 10، دار الکتاب العربی)

امام ذہبی لکھتے ہیں:

"حضرت حسینؓ جب کوفہ کی طرف نکلے تو یزید نے والی عراق عبید اللہ بن زیاد کو لکھا کہ حسینؓ تمہارے شہر کا رخ کر رہا ہے۔ پس فیصلہ کرو کہ آزاد رہنا چاہتے ہو یا غلام بننا۔ اس پر ابن زیاد نے حسینؓ کو شہید کر کے ان کا سر یزید کے پاس بھیجا۔"

تاریخ الخلفاء (امام جلال الدین سیوطی، ص 193)

امام سیوطی نے بھی اس واقعہ کو ذکر کرتے ہوئے واضح کیا ہے کہ عبید اللہ بن زیاد کو فی سیاست پر مسلط کر کے یزید نے امام حسینؓ کے خلاف فیصلہ کن اقدام کروایا۔

عبید اللہ بن زیاد کی تعیناتی اور یزید کا حکم

جب یزید بن معاویہ نے اپنی خلافت سنبھالی تو اس نے عراق میں سخت حکمرانی قائم کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس وقت کوفہ کا گورنر حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ تھے، جو ایک جلیل القدر صحابی اور نرم دل شخصیت تھے۔ انہوں نے اہلِ کوفہ کے بڑھتے ہوئے جذبات اور مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کی بیعت کے معاملے میں سختی برتنے کے بجائے تحمل اور حکمت کا مظاہرہ کیا۔

یزید کو یہ نرم رویہ پسند نہ آیا، لہٰذا اس نے نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کو معزول کر دیا اور عبید اللہ بن زیاد کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا۔

عبید اللہ بن زیاد اپنی سخت گیری، ظلم اور چالاکی کے سبب مشہور تھا۔ یزید نے اسے اس لیے مقرر کیا تاکہ وہ کوفہ میں امام حسین رضی اللہ عنہ کے حامیوں کو قابو میں رکھے اور ان کی بیعت کو یقینی بنائے۔ یہ تعیناتی کسی مقامی فیصلے یا خود مختار اقدام کا نتیجہ نہیں تھی بلکہ براہِ راست یزید کا حکم اور فرمان تھا۔ اسی پس منظر میں تاریخی روایات واضح کرتی ہیں کہ یزید نے ابن زیاد کو امام حسین رضی اللہ عنہ کے خلاف اقدامات کرنے کی ذمہ داری دی تھی۔

یہ حقیقت سنابلی جیسے لوگوں کے اس دعوے کو باطل قرار دیتی ہے کہ "یزید کو کچھ علم نہ تھا یا اس نے حکم نہیں دیا تھا۔"

دراصل تاریخی کتب واضح شہادت پیش کرتی ہیں کہ یزید نے خود حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کو معزول کیا اور ابن زیاد جیسے سخت گیر شخص کو مقرر کیا، تاکہ امام حسین رضی اللہ عنہ کے خلاف فیصلہ کن کارروائی کی جا سکے۔

تاریخی حوالے

البدایہ والنہایہ (ابن کثیر، جلد 8، ص 191، نفیس اکیڈمی کراچی)

"یزید نے عبید اللہ بن زیاد کو عراق کا گورنر مقرر کیا تاکہ امام حسین رضی اللہ عنہ کے خلاف سخت اقدام کرے۔"

تاریخ الاسلام (امام ذہبی، جلد 5، ص 10، دار الکتاب العربی)

"یزید نے ابن زیاد کو لکھا کہ حسینؓ کوفہ کی طرف بڑھ رہے ہیں، پس تم میرے قابل اعتماد ہو، فیصلہ کرو کہ آزاد رہنا چاہتے ہو یا غلامی اختیار کرنا۔"

تاریخ الخلفاء (امام جلال الدین سیوطی، ص 193، دار الفکر، 1394ھ، بیروت)

"یزید نے عبید اللہ بن زیاد کو حکم دیا کہ وہ امام حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ کرے۔"

علمی تجزیہ اور سنابلی کے موقف کا رد

محدثین کے اصول بالکل واضح ہیں کہ حدیث اور تاریخ کے اصول الگ الگ ہیں۔

حدیث میں متن، اسناد اور راوی کے کردار پر باریک بینی سے تحقیق کی جاتی ہے، جبکہ تاریخ میں واقعات، شواہد، سیاسی و معاشرتی حالات اور معتبر ماخذات کی بنیاد پر فیصلہ کیا جاتا ہے۔

کفایت اللہ سنابلی کی سب سے بڑی علمی لغزش یہ ہے کہ وہ تاریخی واقعات کو حدیثی معیار پر پرکھنے کی کوشش کرتے ہیں، اور یوں اہم تاریخی حقائق کو کمزور یا ناقابلِ اعتبار قرار دیتے ہیں۔ یہ رویہ تحقیق کے اعتبار سے علمی خیانت کے مترادف ہے۔

تاریخ کے معتبر ماخذات سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ یزید بن معاویہ نے اپنی تخت نشینی کے بعد عراق میں سخت گیر حکومت قائم کرنے کا فیصلہ کیا۔ کوفہ کے گورنر حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کو، جو نرم دل اور اصول پسند تھے، یزید نے معزول کر دیا۔ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر، جلد 8، ص 191) میں صراحت ہے کہ یہ اقدام یزید کے حکم پر ہوا۔

اس کے بعد یزید نے عبید اللہ بن زیاد کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا تاکہ بیعت کو سختی سے نافذ کرے اور امام حسین رضی اللہ عنہ کے حامیوں کو دبا سکے۔

تاریخ الاسلام (امام ذہبی، جلد 5، ص 10) اور تاریخ الخلفاء (امام سیوطی، ص 193) دونوں میں یہ وضاحت موجود ہے کہ یزید نے براہِ راست ابن زیاد کو ہدایات دیں اور امام حسین رضی اللہ عنہ کے خلاف اقدام کرنے کا حکم دیا۔

جب مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کوفہ پہنچے اور اہلِ کوفہ نے ان کے ہاتھ پر بیعت شروع کی، تو حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ نے اس پر سختی کرنے سے گریز کیا۔ ان کا مؤقف تھا کہ جب تک کوئی شخص کھلے عام قانون اور نظم کو چیلنج نہ کرے، اس پر کارروائی درست نہیں۔

تاریخ الاسلام (امام ذہبی، جلد 5، ص 10) میں اس کا ذکر ملتا ہے۔ یہی نرم رویہ یزید کے حامیوں کے لیے باعثِ تشویش بنا، جس کے بعد یزید نے عبید اللہ بن زیاد کو بھیجا۔

ابن زیاد نے کوفہ آکر سخت گیر رویہ اپنایا، مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کو گرفتار کر کے شہید کیا اور امام حسین رضی اللہ عنہ کے راستے میں رکاوٹیں کھڑی کیں۔

البدایہ والنہایہ (جلد 8، ص 191)؛ تاریخ الخلفاء (سیوطی، ص 193)۔

یہ تمام شواہد اس حقیقت کو ثابت کرتے ہیں کہ:

یزید کو عراق کی صورتحال سے مکمل آگاہی تھی۔

عبید اللہ بن زیاد کی تعیناتی براہِ راست یزید کے حکم پر ہوئی۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی نرم پالیسی نے وقتی طور پر ٹکراؤ کو مؤخر کیا، مگر یزید نے معاملہ اپنے سخت گیر گورنر کے سپرد کر دیا۔

لہٰذا، سنابلی کا یہ دعویٰ کہ "یزید کو علم نہیں تھا یا اس نے کوئی حکم نہیں دیا" تاریخ کے مسلّم حقائق کے خلاف ہے۔ مزید یہ کہ سنابلی کا تاریخی روایات پر حدیثی اصول لاگو کر کے یزید کے دفاع کی کوشش کرنا تحقیق کے بنیادی اصولوں کے خلاف اور علمی دیانتداری کے تقاضوں کے برعکس ہے۔

سنابلی کے موقف کا علمی و تاریخی تجزیہ

کفایت اللہ سنابلی اپنی کتاب یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ میں یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ "یزید نے کچھ نہیں کیا"۔ اس طرزِ فکر کا مقصد واضح ہے: بنو امیہ کا دفاع اور یزید کو ایک نیک اور بے گناہ کردار کے طور پر پیش کرنا۔

تاہم معتبر تاریخی کتب ان کے اس موقف کی بنیاد کو رد کرتی ہیں۔

تاریخی ماخذات واضح کرتے ہیں کہ کوفہ کا گورنر حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ تھے، مگر یزید نے انہیں معزول کر دیا۔ (البدایہ والنہایہ، ابن کثیر، جلد 8، ص 191)۔

اس کے بعد یزید نے عبید اللہ بن زیاد بن ابیہ کو کوفہ کا سخت گیر گورنر مقرر کیا تاکہ بیعت کو کنٹرول کرے اور امام حسین رضی اللہ عنہ کے حامیوں پر دباؤ ڈال سکے۔ (تاریخ الاسلام، امام ذہبی، جلد 5، ص 10؛ تاریخ الخلفاء، امام سیوطی، ص 193)۔

اگر سنابلی کا فرضی موقف قبول کر بھی لیا جائے کہ "یزید نے براہِ راست حکم نہیں دیا"، تو سوال پیدا ہوتا ہے:

نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کو معزول کرنے کا اختیار کس کے پاس تھا؟

ابن زیاد کو کوفہ میں سخت گیر گورنر مقرر کرنے کا فیصلہ کس نے کیا؟

اس کا جواب بالکل واضح ہے کہ اس وقت کوئی دوسرا خود مختار حکمران موجود نہ تھا، لہٰذا یہ سب فیصلے یزید ہی کے حکم پر ہوئے۔

اس لیے سنابلی کا دعویٰ محض ایک تاویلی اور بے بنیاد مفروضہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یزید نے:

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کو معزول کیا،

عبید اللہ بن زیاد کو سخت گیر گورنر مقرر کیا،

اور اہلِ کوفہ وبصرہ سے بیعت کے لیے اقدامات کیے۔

یہ تمام حقائق مستند تاریخی کتب میں درج ہیں، اور سنابلی کا انکار یا تاویل علمی دیانت کے خلاف ہے۔

نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ اور عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی تاریخی اہمیت

1. حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ:

آپ انصار کے وہ پہلے فرد تھے جو ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد بشیر بن سعد اور والدہ ام عمارہ دونوں جلیل القدر صحابہ تھے۔ خاندانی رشتوں میں بھی آپ کا مقام بلند تھا، کیونکہ آپ کی والدہ حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ تھیں۔ اسی طرح آپ کے ماموں حضرت جعفر طیار، حضرت زید بن حارثہ اور دیگر جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم تھے۔ یہ رشتہ داریاں آپ کے علمی، دینی اور سیاسی مقام کو مزید نمایاں کرتی ہیں۔

2. حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ:

آپ ہجرت کے بعد پیدا ہونے والے پہلے مہاجر صحابی تھے۔ والد حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ میں شامل تھے اور والدہ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا تھیں، جو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بیٹی تھیں۔

حضرت عبداللہ بن زبیر نے یزید کی بیعت سے انکار کیا اور مکہ مکرمہ میں اپنی حکومت قائم کی، جو اسلامی تاریخ کا ایک اہم اور فیصلہ کن موڑ ہے۔

3. عبیداللہ بن زیاد کی کوفہ میں تعیناتی:

یزید نے اپنی حکومت کے استحکام کے لیے عبیداللہ بن زیاد کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا تاکہ حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کی تحریک کو کچلا جا سکے۔ (تاریخ الاسلام، امام ذہبی، جلد 5، ص 10؛ تاریخ الخلفاء، امام سیوطی، ص 193)۔

اس کے نتیجے میں عراق کی سیاسی صورتحال یکسر بدل گئی اور اہلِ کوفہ پر ظلم و دباؤ کا آغاز ہوا۔

حضرت مسلم بن عقیلؓ کی کوفہ آمد، کامیابیاں اور شہادت

یزید کے حکم پر جب عبیداللہ بن زیاد کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا گیا تو اس نے انتہائی سخت گیر اور جابرانہ اقدامات اختیار کیے، جن کے نتیجے میں حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کی شہادت واقع ہوئی اور اہلِ کوفہ پر ظلم و ستم کا بازار گرم ہو گیا۔ اس سے قبل کوفہ کا نظم حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کے پاس تھا،

جو اگرچہ یزید کے مقرر کردہ گورنر تھے لیکن ان کا مزاج نرم تھا۔ انہوں نے حضرت مسلم بن عقیل کے ساتھ کسی قسم کی سختی نہیں کی، بلکہ رواداری اختیار کی۔ اسی نرم رویے کی وجہ سے اہلِ کوفہ میں ایک بغاوتی لہر اٹھی اور لوگ بڑی تعداد میں امام حسین رضی اللہ عنہ کے نام پر حضرت مسلم بن عقیل کے ہاتھ پر بیعت کرنے لگے۔ یہی وجہ تھی کہ یزید نے نعمان بن بشیر کو معزول کر کے عبیداللہ بن زیاد کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا۔ (البدایہ والنہایہ، ابن کثیر، ج 8، ص 191؛ تاریخ الاسلام، امام ذہبی، ج 5، ص 10؛ تاریخ الخلفاء، امام سیوطی، ص 193)۔

حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ جب کوفہ پہنچے تو اہلِ کوفہ کے کئی سرداروں نے ان کا خیر مقدم کیا اور بڑے پیمانے پر بیعت ہونے لگی۔ اس موقع پر حضرت مسلم نے اہلِ کوفہ کے جوش و خروش کو دیکھ کر امام حسین رضی اللہ عنہ کو خط بھیجا کہ حالات ساز گار ہیں اور لوگ آپ کو حقیقتاً اپنا امام تسلیم کرنے پر تیار ہیں۔ (تاریخ الطبری، ج 5، ص 353؛ البدایہ والنہایہ، ابن کثیر، ج 8، ص 167)۔

تاہم یہ کامیابی زیادہ دیر قائم نہ رہ سکی۔ عبید اللہ بن زیاد نے کوفہ میں آتے ہی سخت اقدامات شروع کر دیے۔ اس نے جاسوسی کا جال بچھایا، لوگوں کو دھمکایا، قبائلی سرداروں کو رشوت دی اور حکومتی طاقت کے ذریعے خوف و دہشت کا ماحول پیدا کیا۔ اس کے نتیجے میں اکثر لوگ حضرت مسلم بن عقیل کو چھوڑ کر الگ ہو گئے اور بیعتیں ٹوٹنے لگیں۔ (الکامل فی التاریخ، ابن اثیر، ج 3، ص 405)۔

اس دوران حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کو حضرت ہانی بن عروہ کے گھر پناہ ملی، جو کوفہ کے بزرگ اور باوقار شخصیت تھے۔ لیکن ابن زیاد نے ہانی کو گرفتار کر کے سخت سلوک کیا اور کوفہ کے قبائل کو خوف زدہ کیا۔ بالآخر حضرت مسلم بن عقیل تقریباً تنہا رہ گئے۔ ابن زیاد کے کارندوں نے ان پر حملہ کیا، قلعہ بندی توڑ دی گئی، اور قلیل مزاحمت کے بعد حضرت مسلم کو گرفتار کر کے شہید کر دیا گیا۔ (تاریخ الطبری، ج 5، ص 362؛ البدایہ والنہایہ، ابن کثیر، ج 8، ص 170؛ انساب الاشراف، بلاذری، ج 3، ص 181)۔

یوں حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کی شہادت دراصل یزید کے بھیجے ہوئے گورنر عبید اللہ بن زیاد کی سخت پالیسیوں کا نتیجہ تھی، جس نے اہلِ کوفہ کو دھوکہ، لالچ اور خوف کے ذریعے امام حسین رضی اللہ عنہ سے کیے گئے

وعدوں سے پھیر دیا۔ یہ واقعہ کربلا کے سانحہ کا پیش خیمہ بنا، اور تاریخ اسلام میں ظلم و جبر کی ایک سیاہ مثال کے طور پر درج ہوا۔

حضرت مسلم بن عقیلؓ اور ہانی بن عروہؓ کی گرفتاری و شہادت

حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کوفہ میں کچھ مقامی لوگوں کی حمایت ضرور حاصل رہی، جن میں نمایاں شخصیت ہانی بن عروہ رضی اللہ عنہ تھے۔ انہوں نے حضرت مسلم کو اپنے گھر میں پناہ دی اور حتیٰ المقدور ان کی حفاظت کرتے رہے۔ تاہم جب عبید اللہ بن زیاد نے سخت حکومتی دباؤ، دھمکیوں اور جاسوسی کے جال کے ذریعے حالات کو گھیر لیا، تو مقامی سردار اور قبائل بھی مزید مدد دینے کی پوزیشن میں نہ رہے۔ (تاریخ الطبری، ج 5، ص 361؛ البدایہ والنہایہ، ابن کثیر، ج 8، ص 168)۔

آخر کار حضرت مسلم رضی اللہ عنہ کو گرفتار کر لیا گیا۔ مختلف روایات میں ان کی گرفتاری کے مناظر بیان ہوئے ہیں: بعض میں ذکر ملتا ہے کہ وہ شہر کی گلیوں میں اکیلے رہ گئے اور وہیں محاصرے میں لے کر پکڑ لیے گئے، جبکہ بعض میں محل یا قلعے کے قریب گھیرے جانے کا ذکر ہے۔ لیکن تمام معتبر ماخذ اس بات پر متفق ہیں کہ ابن زیاد کی افواج نے مختلف حربے استعمال کر کے حضرت مسلم کو تنہا کر دیا اور بالآخر انہیں قید کر کے ابن زیاد کے دربار میں پیش کیا گیا۔ (تاریخ الطبری، ج 5، ص 363؛ البدایہ والنہایہ، ابن کثیر، ج 8، ص 170)۔

ابن زیاد نے نہ صرف حضرت مسلم پر تشدد کیا بلکہ ان کے خلاف سخت حکم دیا۔ جلادوں نے انہیں شہید کر دیا اور ان کی شہادت کو بعد کی تاریخ نے ایک عظیم مظلومانہ قربانی کے طور پر محفوظ کر لیا۔ (الکامل فی التاریخ، ابن اثیر، ج 3، ص 407؛ البدایہ والنہایہ، ابن کثیر، ج 8، ص 171)۔

اسی طرح حضرت ہانی بن عروہ رضی اللہ عنہ، جنہوں نے حضرت مسلم کو پناہ دی تھی، انہیں بھی عبید اللہ بن زیاد نے گرفتار کر کے اذیت دی اور شہید کر دیا۔ (تاریخ الطبری، ج 5، ص 364؛ الکامل فی التاریخ، ابن اثیر، ج 3، ص 408)۔

اس کے علاوہ کوفہ میں حضرت مسلم کے چند قریبی ساتھیوں کو بھی قتل کیا گیا۔ یہ تمام خبریں جب امام حسین رضی اللہ عنہ تک پہنچیں تو انہوں نے صورتِ حال کے خطرناک ہونے کا اندازہ کر لیا۔

حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کی شہادت نے کوفہ کی حقیقت کو بے نقاب کر دیا۔ سیاسی طور پر یہ ثابت ہوا کہ اہلِ کوفہ کے وعدے، بیعتیں اور خطوط وقتی جذبات سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے تھے اور حکومتی طاقت، مال اور دباؤ کے سامنے ٹوٹ گئے۔ (البدایہ والنہایہ، ابن کثیر، ج 8، ص 172)۔

اخلاقی و شرعی طور پر حضرت مسلم نے یہ پیغام دیا کہ دین کے لیے صرف وعدے اور کاغذی بیعتیں کافی نہیں بلکہ عملی استقامت اور قربانی ضروری ہے۔ ان کی شہادت امام حسین رضی اللہ عنہ کے لیے ایک واضح اشارہ بن گئی کہ حالات سنگین ہیں، لیکن ساتھ ہی مسلم کی قربانی نے کربلا کے سفر کو ایک لازوال دینی جدوجہد میں بدل دیا۔ بعد کی امت کے لیے یہ واقعہ ہمیشہ اس سوال کا محرک رہا کہ: کیا مسلمان کو جابر حکمران کے خلاف کھڑا ہونا چاہیے، اور وفاداری، بیعت اور دین کے تحفظ کا حقیقی معیار کیا ہے؟ (تاریخ الطبری؛ الکامل فی التاریخ؛ البدایہ والنہایہ)۔

شرعی حوالے اور حضرت مسلم بن عقیلؓ کی شہادت کا مفہوم

اسلامی نصوص میں ظالم و منکر کے مقابلے کا اصول واضح بیان ہوا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"تم میں سے جو کوئی برائی دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے روکے، اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے روکے، اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل میں برا جانے، اور یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے۔"

(صحیح مسلم، کتاب الایمان، حدیث:49)

یہ اصول حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ اور امام حسین رضی اللہ عنہ کے واقعات پر بھی منطبق ہوتا ہے۔ جب عملی قوت میسر تھی تو مسلم بن عقیلؓ نے کوفہ میں اہلِ کوفہ کے ساتھ مل کر ظالم حکمران کے خلاف اقدام کیا؛ لیکن جب عوام نے خوف اور لالچ کے باعث بیعت توڑ دی تو مسلمؓ تنہا رہ گئے اور اپنی جان قربان کر کے عملی ثبات کا پیغام دیا۔ ان کی شہادت نے واضح کر دیا کہ صرف لفظی وعدے اور جذباتی بیعتیں، اگر عملی اقدام کے بغیر رہ جائیں، تو ایمان کے ادنیٰ درجے سے آگے نہیں بڑھ سکتیں۔ (تاریخ الطبری، ج5، ص361–364؛ البدایہ والنہایہ، ابن کثیر، ج8، ص168–172؛ الکامل فی التاریخ، ابن اثیر، ج3، ص407–408)

حضرت مسلم بن عقیلؓ کی گرفتاری اور شہادت نے کوفہ کے کردار کو بے نقاب کر دیا کہ کس طرح دنیاوی خوف اور حکومتی دباؤ نے عوامی عہد و وفا کو توڑ دیا۔ ان کے ساتھ ہانی بن عروہ رضی اللہ عنہ بھی گرفتار و شہید ہوئے، جنہوں نے مسلم کو پناہ دی تھی۔ (تاریخ الطبری، ج5، ص364؛ الکامل، ج3، ص408)۔

اس کے بعد امام حسین رضی اللہ عنہ کے کربلا کے سفر نے اس حقیقت کو اور زیادہ اجاگر کیا کہ دین کے تحفظ کے لیے بعض اوقات جان کی قربانی دینا واجب ہو جاتا ہے، اور یہ قربانی محض الفاظ یا کاغذی وعدوں سے پوری نہیں ہو سکتی۔

یوں حضرت مسلم بن عقیلؒ کی شہادت صرف ایک تاریخی واقعہ نہیں بلکہ ایمان، وفا اور عمل کے مراتب کی عملی تفسیر ہے، جو قرآن و حدیث کے عمومی اصول سے ہم آہنگ ہے۔

کفایت اللہ سنابلی نے اپنی کتاب "یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ" میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ یزید پر عائد اکثر الزامات ضعیف یا موضوع روایات پر مبنی ہیں، یا ان میں سند و متن کی کمزوریاں ہیں، لہٰذا یزید کو ان واقعات کا براہِ راست ذمہ دار قرار دینا درست نہیں۔

وہ خصوصاً "واقعہ حرّہ" اور دیگر مظالم کی روایات کو ناقابلِ اعتماد قرار دیتے ہیں اور ان کو مبالغہ یا سیاسی تاویل کا نتیجہ بتاتے ہیں۔ نیز وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ بعض صحابہ و تابعین کا اختلاف صرف بیعت کے طریقہ کار پر تھا، نہ کہ یزید کی شخصیت یا فسق پر۔

مگر ان کا یہ منہج بنیادی مغالطے پر قائم ہے، کیونکہ انہوں نے محدثین کے اصولِ جرح و تعدیل کو تاریخی روایتوں پر لاگو کر دیا، حالانکہ یہ اصول سنت محفوظ کرنے کے لیے وضع کیے گئے تھے، جب کہ تاریخ کا منہج مختلف ہے۔ اگر انہی اصولوں کو تاریخ پر فٹ کیا جائے تو جنگِ بدر، فتحِ مکہ اور کربلا جیسے یقینی واقعات بھی مشکوک ہو جائیں گے، جو ناممکن ہے۔ تاریخ کے ثبوت کے لیے محدثین و مؤرخین نے شہرت، کثرتِ طرق اور اجماعِ امت کو کافی قرار دیا ہے۔ (دیکھیے: ابن خلدون، المقدمہ، ص 10؛ ابن حجر، نخبۃ الفکر، ص 23)۔

واقعہ کربلا، یزید کے دور کے فسق و فجور اور ظلم کے واقعات محض ایک دو ضعیف روایت پر نہیں بلکہ تواتر اور شہرت کے ساتھ منقول ہیں۔

امام طبری (تاریخ الطبری، ج5، ص343–370)، ابن کثیر (البدایہ والنہایہ، ج8، ص163–180)، ابن اثیر (الکامل فی التاریخ، ج3، ص403–412)، ذہبی (سیر أعلام النبلاء، ج3، ص489–494) اور بلاذری (انساب الأشراف، ج3، ص157–165)

نے ان کو تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ ان سب مؤرخین کا مختلف پس منظر ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ محض سیاسی مبالغہ نہیں بلکہ تاریخی حقیقت ہے۔

اسی طرح واقعہ حرّہ بھی صدیوں سے امت کے ہاں مسلم واقعہ ہے، جس میں مدینہ منورہ کو لوٹا گیا اور صحابہ و تابعین شہید کیے گئے۔ امام طبری اور ابن کثیر نے اس کی تفصیل نقل کی ہے اور اسے نظر انداز نہیں کیا۔ (تاریخ الطبری، ج5، ص472–478؛ البدایہ والنہایہ، ج8، ص240–246)۔

اگر کوئی ان سب کو ضعیف کہہ کر رد کرے تو اس کا مطلب ہے کہ پوری اسلامی تاریخ کو غیر معتبر قرار دے دیا جائے۔

جہاں تک یہ دعویٰ ہے کہ صحابہ کا اختلاف صرف "بیعت کے طریقے" پر تھا، یہ صریح خلافِ حقیقت ہے۔ امام حسین رضی اللہ عنہ، عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور دیگر اکابر صحابہ نے یزید کی بیعت قبول نہ کی اور اس کے فسق و ظلم کو وجہ قرار دیا۔ (ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج8، ص161؛

ذہبی، سیر أعلام النبلاء، ج3، ص492)۔

اس لیے سنابلی صاحب کا یہ کہنا کہ اختلاف صرف "طریقہ بیعت" پر تھا، تاریخی شہادتوں کے خلاف ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ یزید کے خلاف وارد روایات محض ضعیف یا موضوع نہیں بلکہ کثرتِ طرق، شہرت اور اجماعِ امت سے ثابت ہیں، اور ان کا انکار کرنا امت کے چودہ سو سالہ متفقہ علمی ورثے کو رد کرنے کے مترادف ہے۔

کفایت اللہ سنابلی کا یہ دعویٰ کہ یزید پر عائد الزامات ضعیف یا موضوع روایات پر مبنی ہیں، علمی لحاظ سے درست نہیں، کیونکہ یزید کے مظالم اور فسق و فجور کے واقعات محض ایک یا دو روایات پر نہیں بلکہ کثرتِ طرق اور شہرتِ عامہ سے منقول ہیں۔ امام طبری (تاریخ الطبری، ج5، ص343–370)،

ابن کثیر (البدایہ والنہایہ، ج8، ص163–180)،

ابن اثیر (الکامل فی التاریخ، ج3، ص403–412)،

اور امام ذہبی (سیر أعلام النبلاء، ج4، ص37) نے ان واقعات کو تفصیل سے ذکر کیا ہے، اور امام ذہبی کا کہنا ہے کہ "یزید بن معاویہ پر فسق و فجور کا الزام لگانے میں امت کے بڑے حصے کا اتفاق ہے۔"

اسی طرح بعض روایات کو تاویل کے نام پر رد کرنا حقیقت سے انکار ہے، کیونکہ مختلف طرق سے ایک ہی حقیقت بیان ہو رہی ہے، اور بڑے محدثین و مؤرخین نے ان پر تصدیق کی ہے۔

امام ابن حجر فرماتے ہیں: "یزید کے بارے میں صحیح بات یہ ہے کہ وہ فسق و فجور میں مشہور تھا، اور واقعات نے اس پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے۔" (فتح الباری، ج 13، ص 7)۔

سنابلی کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ واقعہ حرّہ کی روایتیں معتبر نہیں، کیونکہ یہ واقعہ تاریخِ اسلام کا متواتر اور شہرت یافتہ سانحہ ہے جسے طبری، ابن کثیر، ذہبی اور دیگر ائمہ نے تفصیل سے نقل کیا۔ امام سیوطی لکھتے ہیں: "یزید وہ ہے جس کے دور میں اہل مدینہ پر واقعہ حرّہ کا ظلم ڈھایا گیا، اور اس کے گناہ اس پر کھلے ہیں۔" (تاریخ الخلفاء، ص 207)۔

اسی طرح یہ دعویٰ کہ یزید کے خلاف الزامات سیاست یا مبالغہ ہیں، علمی بنیاد نہیں رکھتا۔ اگر یہ محض سیاست ہوتی تو امام حسینؓ، عبد اللہ بن زبیرؓ، عبد اللہ بن عباسؓ، عبد اللہ بن عمرؓ اور دیگر اکابر صحابہ یزید کی بیعت سے انکار کیوں کرتے؟

امام احمد بن حنبل سے منقول ہے: "یزید کے بارے میں ہمارے دلوں میں کیا ہے، وہ ہم ظاہر نہیں کرتے، لیکن اللہ سے امید ہے کہ وہ اس کے لیے بھلائی نہ کرے۔" (البدایہ والنہایہ، ج 8، ص 222)۔

اسی طرح یہ دعویٰ بھی تاریخی شہادتوں کے خلاف ہے کہ اختلاف صرف بیعت کے طریقے پر تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ امام حسینؓ اور اہل مدینہ نے یزید کی بیعت کو اس کی بدکرداری، شراب نوشی اور ظلم کے سبب رد کیا۔ ابن کثیر لکھتے ہیں: "حسینؓ نے یزید کی بیعت سے انکار اس لیے کیا کہ وہ اس کے دین اور عمل سے راضی نہ تھے۔" (البدایہ والنہایہ، ج 8، ص 229)۔

امام ذہبی بھی کہتے ہیں: "یزید شراب نوشی اور لہو و لعب میں مشہور تھا، اسی وجہ سے اہل مدینہ اور حسین بن علیؓ نے اس کی بیعت قبول نہ کی۔" (تاریخ الاسلام، ج 5، ص 20)۔

کفایت اللہ سنابلی کا پورا مقدمہ دراصل "حدیث کے اصول تاریخ پر فٹ کرنے" اور "امت کے اجماعی موقف" کو نظر انداز کرنے پر مبنی ہے۔

تاریخ کے مشہور اور متواتر واقعات کو ضعیف یا مبہم کہہ کر رد کر دینا علمی بددیانتی ہے۔

محدثین و مؤرخین نے خود واضح کیا کہ تاریخ میں کثرتِ طرق، شہرت اور اجماع کو سند کی کمزوری پر مقدم رکھا جاتا ہے۔

یزید کی حقیقت امت کے ائمہ نے کھول کر بیان کی، اور اس کا دفاع دراصل ظلم کی پردہ پوشی ہے۔

ردّبرِ کفایت اللہ سنابلی: منہجی، منطقی اور تاریخی اعتراضات

A. کفایت اللہ سنابلی — مؤقف کا خلاصہ

کفایت اللہ سنابلی صاحب نے اپنی کتاب 'یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ' میں بنیادی طور پر یہ موقف اختیار کیا کہ:

1. یزید پر عائد جو بہت سے الزامات ہیں وہ یا تو ضعیف سندوں، من گھڑت متون، یا سیاسی و جذباتی توسعہ پر مبنی ہیں؛

2. بعض معروف واقعات (مثلاً واقعہِ حرّہ، مدینہ میں فسادات، اہلِ بیت سے بدسلوکی) کی روایات کو درست معنوں میں نہیں لیا جاسکتا اور ان کی سند میں کمزوریاں ہیں؛

3. لہٰذا قیاسِ تاریخ میں احتیاط لازم ہے—الزام لگانے سے پہلے ہر روایت کی سند و متن کا سخت جائزہ لیا جائے۔

یہ مؤقف بذاتِ خود تحقیقی جذبے کا مظہر معلوم ہوتا ہے، مگر جب اسے عمومی انکار یا قطعی تردید میں تبدیل کیا جائے تو کئی سنگین مسئلے سامنے آتے ہیں جن کی نشاندہی ضروری ہے۔

کفایت اللہ سنابلی کے دلائل پر مفصل اعتراض علمی اور منطقی دونوں زاویوں سے اہم ہیں۔ ایک دلیلِ منہجی یہ پیش کی جاتی ہے کہ اگر ہر تاریخی واقعہ کو صرف اس وقت قابلِ قبول مانا جائے جب وہ حدیثی سند کے سخت ترین معیار (جرح و تعدیل) پر پورا اُترے، تو تقریباً تمام تاریخی روایتیں، جو کثیرَ الحدِث اور متعدد درجوں کی سلسلوں پر مبنی ہیں، مسترد ہو جائیں گی۔ اس کا نتیجہ یہ نہیں ہو گا کہ ہم حقائق میں بہتر ہوں گے بلکہ تاریخ کا بڑا حصہ خالی رہ جائے گا۔ اس نقطے کو درست طور پر "اسلامی تاریخ کا خاتمہ" کہا جاسکتا ہے۔

تاریخی تحقیق اور حدیثی علوم کے تقاضے الگ الگ ہیں؛ ایک کو دوسرے پر جبراً نافذ کرنا علمی غلطی ہے۔ تاریخی جائزہ کے لیے ضروری ہے کہ کثرتِ نقل، قرائنِ زمان و مکان، غیر جانبدار منابع کا تقابل، متن کا منطقی تجزیہ اور بیرونی مصادر جیسے آثار یا غیر مسلم مؤرخین کو دیکھا جائے، اور ہر روایت کو بلاوجہ حدیثی "صحیح / ضعیف" کے معیار میں قید کرنا درست نہیں

دوسرا اہم اعتراض منہجِ تضاد سے متعلق ہے۔ سنابلی صاحب اکثر روایات کو سند کی کمزوری کی بنیاد پر "ضعیف" یا "غیر قطعی" کہہ کر خارج کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مگر تاریخی روایتوں میں عموماً متعدد سلسلے موجود ہوتے ہیں، اور مختلف راوی مختلف انداز میں بیان کرتے ہیں۔

تمام سلسلوں پر ایک ساتھ جرح کرنا اور تب تک واقعہ کو موقوف رکھنا جب تک ہر سلسلے کو بخوبی ثابت نہ کر لیا جائے، عملی طور پر ناممکن اور غیر منطقی ہے۔ بعض روایات کی سند کمزور ہو مگر متن ایک دوسرے سے میل کھاتا ہو اور قرائن، مثلاً جغرافیہ، واقعہ کے بعد کے واقعات یا غیر مسلم ماخذ، اس کی تائید کریں، تو اسے محض ضعیف کہہ کر رد کرنا معیارِ انصاف کے خلاف ہے۔

اصل میں، حدیث اور تاریخ کے دو الگ مناظرات ہیں؛ حدیث کا معیار بنیادی طور پر احکامِ شرعی کے لیے سخت ہے، لیکن تاریخ میں اکثر حقائق کے لیے کثرتِ منابع اور منطقِ توافُق زیادہ معتبر شمار ہوتی ہے۔ دونوں منہج کو الجھانا علمی شائستگی کے خلاف ہے

آخری نکتہ یہ ہے کہ یزید کے الزامات کو رد کرنے کے لیے صرف "ضعیف سند" یا "سیاسی مغالطہ" کی دلیل دینا کافی نہیں۔ تاریخی تحقیق میں ضروری ہے کہ متواتر روایات، کثرتِ طرق، غیر جانبدار و خارجی مصادر اور اجماع امت کو بھی مدِ نظر رکھا جائے۔ یہی طریقہ علمی انصاف اور حقیقت کی پہچان کے لیے درست ہے۔ اس تناظر میں کفایت اللہ سنابلی کا مؤقف، اگرچہ تحقیقی جذبات کا مظہر ہے، مگر تاریخی اور منطقی لحاظ سے ناقص اور غیر متوازن ہے۔

کفایت اللہ سنابلی کے مؤقف میں ایک اہم منطقی خلا یہ ہے کہ وہ الزامات کو رد کرنے کے باوجود کوئی نعم البدل یا متبادل تاریخی بیان پیش نہیں کرتے۔ عقل و منطق کے مطابق، جب کوئی دعویٰ منہدم کیا جائے تو اس کا مناسب طریقہ یہی ہے کہ متوازن تشریح یا متبادل مفروضہ پیش کیا جائے۔ مثال کے طور پر، اگر "واقعۂ حرّہ" کی روایت کی سند پر اعتراض کیا جائے تو کفایت اللہ کو یہ وضاحت کرنا ہوگی کہ واقعہ بالکل نہیں ہوا، اور پھر دلیلیں پیش کرنی ہوں گی:

(الف) معاصر بیرونی ماخذ کیا کہتے ہیں؟ (ب) اگر واقعہ ہوا نہیں تو مدینہ یا شام کی سیاسی صورتحال کو کیسے سمجھیں؟ (ج) شہادتوں، مقتل نگاری اور محلّی روایات کا کیا مفہوم ہوگا؟ سنابلی اگر یہ سب کچھ نہیں کرتے بلکہ صرف "سند کمزور" کہہ دیتے ہیں تو اس سے پورا تاریخی تجزیہ کمزور پڑ جاتا ہے، کیونکہ صرف تردید ہوتی ہے، تعمیر نہی

ایک اور علمی خطرہ سیاسی تاویل یا "تعلیلِ حذف" سے متعلق ہے۔

بعض جگہ سنابلی کسی روایت کو سند کی بنیاد پر مسترد کرتے ہیں، مگر اصل مقصد ممکنہ سیاسی معانی کو چھپانا محسوس ہوتا ہے۔ اس طریقۂ کار میں حقیقت کا انکار اس لیے کیا جاتا ہے کہ اگر روایت قبول ہو جائے تو اس سے جو سیاسی نتائج نکلیں وہ قابلِ قبول نہ ہوں۔ یہ علمی خطرہ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ تاریخ میں "جو حقیقت سیاسی طور پر ناگوار ہو اسے ضعیف قرار دے دو" ایک تحقیقی طریقہ نہیں بلکہ احتجاج یا سیاسی دفاع بن جاتا ہے۔

مزید برآں، سنابلی تمام تاریخی مصادر کا یکساں تقابل نہیں کرتے۔ وہ اکثر چند سندی کتب کو بنیاد بنا کر بعض واقعات کو خارج کر دیتے ہیں، حالانکہ تاریخی تحقیق میں ضروری ہے کہ سنی کتبِ تاریخ (طبری، ابن کثیر، ابن اثیر)، شیعہ مقتلیں، غیر مسلم مؤرخین کے ماخذ، آثار قدیمہ اور نسخِ خطی سب کو تقابلی بنیاد پر دیکھا جائے۔ صرف

حدیثی علوم تک محدود رہ کر حقائق کا انکار ایک کمزور طریقۂ کار ہے اور تاریخی انصاف کے خلاف ہے (طبری، تاریخ الرسل والملوک؛ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ)۔

اگر سنابلی کا مؤقف بلا اعتراض قبول کر لیا جائے تو تاریخ تقریباً ختم ہو جائے گی، کیونکہ وہ نہ تو نعم البدل پیش کرتے ہیں اور نہ متوازن منہج دکھاتے ہیں۔ اس خلا کو پورا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ تاریخی تحقیق میں کثرتِ منابع، متواتر روایات، قرائنِ زمان و مکان اور غیر جانبدار مصادر کو مدِ نظر رکھا جائے، اور ہر روایت کی تردید کے ساتھ ساتھ تعمیری تشریح بھی پیش کی جائے تاکہ تاریخی انصاف قائم رہے۔

تاریخی تحقیق میں یزید پر عائد الزامات کا منصفانہ اور منطقی جائزہ لینے کے لیے چند مرحلے اختیار کرنا ضروری ہیں۔ مرحلۂ اوّل یہ ہے کہ ہر الزام، جیسے واقعۂ حرّہ، شہادتِ حسینؓ، یا بُسر بن ارطاۃ کے مظالم وغیرہ، کے لیے شواہد کی جامع فہرست بنائی جائے۔ اس فہرست میں تین طبقے واضح کیے جائیں:

طبقۂ اول وہ روایتیں جو متعدد اور مستقل تاریخی سلسلوں پر مبنی ہوں اور مختلف مآخذ، مثلاً طبری، ابن کثیر، ابن اثیر، بلاذری وغیرہ، میں موجود ہوں؛

طبقۂ دوم وہ روایتیں جو واحد یا کم کثرت کے باوجود معتبر ہوں؛ اور طبقۂ سوم وہ ضعیف یا من گھڑت متن پر مبنی روایتیں ہوں۔

یہ جدول واضح کرے گا کہ کون سے واقعات پر محض ایک یا دو ضعیف روایتیں ہیں اور کون سے واقعات پر متعدد اور مختلف ذرائع کی تصدیق موجود ہے (طبری، تاریخ الرسل والملوک؛ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ)۔

مرحلۂ دوم میں خارجی قرائن کی تحقیق کی جاتی ہے۔ بعض واقعات کے لیے بیرونی شواہد جیسے مالی ریکارڈ، غیر مسلم مآخذ، آبادیاتی بدلاؤ یا آثارِ قدیمہ پیش کیے جائیں تاکہ یہ واضح ہو سکے کہ اگر واقعہ فرضاً ہوا بھی تو اس کے معقول نتائج کیا ہوں گے اور آیا یہ نتائج تاریخی شواہد میں بھی ملتے ہیں یا نہیں۔ اس سے صرف روایت کی سند پر انحصار کرنے کی خامی دور ہوتی ہے اور تاریخی تحقیق میں انصاف قائم رہتا ہے۔

مرحلۂ سوم میں الزامات کی منصفانہ درجہ بندی کی جاتی ہے۔ ہر الزام کو درجوں میں رکھا جائے:

(الف) قطعی ثابت، (ب) زیادہ محتمل، (ج) مشہور مگر منقوض، (د) غیر مستند۔ ہر درجہ کے پیچھے وجہ، حوالہ، اور علماءِ مخالف و موافق کے اقوال درج کیے جائیں تاکہ موقف شفاف اور مستند رہے۔

مرحلۂ چہارم میں نعم البدل یا متبادل پیش کیا جاتا ہے۔ اگر کسی واقعہ کو رد کیا جا رہا ہے تو یہ واضح کیا جائے کہ اس کی جگہ کیا معقول تاریخی بیان بنتا ہے۔

مثلاً اگر واقعۂ حرّہ کی تفصیلات مبالغہ آمیز ہیں تو یہ بیان کیا جائے کہ مدینہ میں شور و غل ہوا تھا مگر جو تفصیل کتبِ مقتل میں آئی وہ مبالغہ یا لاحقہ مقتل نگاری کا نتیجہ ہے اور یہ مبالغہ کس وجہ سے پیدا ہوا (سیاسی، زبانی روایت، لاحقہ مقتل نگاری)۔

اگر یزید کے کردار کو مکمل طور پر سفید کرنا مقصود ہو تو اس کی جگہ یہ ثابت کیا جائے کہ یزید کے دور میں کیے گئے فیصلے کسی حد تک سیاسی تقاضوں کے مطابق تھے اور ان کا براہِ راست مقصد حسینؓ کی شہادت نہ تھا، جس کے لیے ثبوت جیسے حکومتی خطبات، مالی ریکارڈ یا غیر مسلم ماخذ پیش کیے جائیں تاکہ موقف تعمیری اور مستند ہو (طبری، تاریخ الرسل والملوک؛ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ)۔

لہٰذا سنابلی صاحب کا طریقہ اگر قبول کر لیا جائے تو اسلامی تاریخ کے اہم واقعات اور شخصیات، جیسے واقعۂ کربلا، یزید کے دور کے سیاسی اقدامات، اور صحابہ و تابعین کی شہادتیں، سب مشکوک اور ناقابلِ اعتماد ہو جائیں گے۔ یہ دراصل تاریخِ اسلام کے خاتمے کے مترادف ہے۔

کفایت اللہ سنابلی اپنی کتاب "یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ" میں اکثر تاریخی روایات کو ضعیف یا منقطع قرار دے کر ناقابلِ اعتماد سمجھتے ہیں، مگر یہ منہج کئی علمی اشکالات پیدا کرتا ہے۔

اگر تاریخ کو بھی حدیثی معیارِ صحت پر پرکھا جائے تو اسلامی تاریخ کا بیشتر حصہ ناقابلِ اعتماد ٹھہرتا ہے، کیونکہ اکثر تاریخی واقعات انہی روایات سے منقول ہیں جو حدیثی سخت معیار پر پوری نہیں اترتیں۔ امام ابن کثیر لکھتے ہیں:

"تاریخ کے ابواب میں سند کی شرط وہ نہیں جو احادیثِ احکام میں رکھی گئی ہے، بلکہ یہاں قرائن اور متعدد طرق کی تائید کو بھی ملحوظ رکھا جاتا ہے" (ابن کثیر، البدایہ والنہایہ 8/221)۔

اسی طرح حافظ ابن حجر عسقلانی نے وضاحت کی: "اخبار و تواریخ کے قبول و رد میں محدثین کا منہج، احکامِ شرعیہ کی احادیث سے مختلف ہے" (ابن حجر، النکت علی ابن الصلاح 2/714)۔

امام ابن عبد البر نے بھی تاریخی روایات کو کثرتِ طرق اور شہرت کی بنیاد پر قبول کیا، خواہ ان میں سندی کمزوری ہو (ابن عبد البر، الاستیعاب 3/1142)۔

ان تصریحات کی روشنی میں سنابلی صاحب کا طرزِ تحقیق دراصل "تعطیلِ تاریخ" کے مترادف ہے، کیونکہ اگر ان کا منہج اختیار کیا جائے تو واقعۂ کربلا، واقعۂ حرّہ، حجر بن عدی و دیگر صحابہ کی شہادت، حتیٰ کہ خلافتِ راشدہ کے بعد کے سیاسی حالات بھی مشکوک ہو جاتے ہیں۔ مزید یہ کہ انہوں نے ان روایات کو رد تو کر دیا، لیکن کوئی نعم البدل پیش نہیں کیا، جس سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اصل حقیقت کیا تھی۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سنابلی صاحب کا منہج تاریخ کو مسخ کرنے کا سبب بنتا ہے، جبکہ محدثین و مورخین نے ضعیف روایات کو قرائن و کثرتِ طرق کے ذریعے مضبوط کر کے حقیقت کو محفوظ رکھنے کا متوازن طریقہ بتایا ہے۔

اگر ہم کفایت اللہ سنابلی اور ائمہ محدثین و مورخین کے منہج کا موازنہ کریں تو فرق واضح ہو جاتا ہے:

سنابلی صاحب صرف وہ روایات معتبر مانتے ہیں جو صحیح حدیث کے معیار پر پوری اتریں اور ضعیف یا منقطع روایات ناقابلِ اعتماد ہیں، جبکہ ائمہ محدثین و مورخین نے تاریخ و سیرت میں سند کی سختی کم رکھی اور قرائن، کثرتِ طرق اور شہرت کو بھی دلیل مانا (ابن کثیر، البدایہ والنہایہ 8 / 221؛ ابن حجر، النکت 2 / 714)۔

سنابلی صاحب اکثر واقعاتِ کربلا، حرّہ وغیرہ کو ضعیف یا منقطع روایات کی بنیاد پر ناقابلِ اعتبار سمجھتے ہیں، جبکہ ائمہ نے ان واقعات کو تفصیل سے نقل کیا اور مجموعی شہرت کی بنیاد پر انہیں ثابت مانا (ابن عبد البر، الاستیعاب 3/1142؛ طبری، تاریخ 5 / 461)۔

سنابلی کے نزدیک تاریخ ضعیف روایات پر مبنی ناقابلِ قبول ہے، جبکہ محدثین و مورخین کے نزدیک تواترِ معنوی، کثرتِ ناقلین اور شہرت ہی کافی ہے (سیوطی، تدریب الراوی 2 / 176)۔

مزید بر آں، سنابلی ضعیف روایات کو رد کرنے کے بعد کوئی نعم البدل پیش نہیں کرتے، جبکہ محدثین و مورخین نے ضعیف روایات کو قرائن اور کثرتِ طرق کے ذریعے مضبوط کر کے حقیقت کو محفوظ رکھا۔

خلاصہ یہ کہ اگر سنابلی صاحب کا منہج اختیار کر لیا جائے تو اسلامی تاریخ کا بڑا حصہ مشکوک ہو جاتا ہے، کربلا، حجر بن عدی کی شہادت اور واقعۂ حرّہ جیسے واقعات کا انکار لازم آتا ہے، اور امت کے لیے اپنا ماضی جاننا مشکل ہو جاتا ہے۔

ائمہ محدثین و مورخین کے منہج کے مطابق شہرت و تواترِ معنوی کافی ہیں اور اسی کے ذریعے امت نے اپنے ماضی کو محفوظ رکھا ہے۔

اگر صرف صحیح الاسناد احادیث کو تاریخ میں قبول کیا جائے تو اسلامی تاریخ کا تقریباً 80٪ حصہ ختم ہو جائے گا، اور نہ کربلا ثابت رہے گا، نہ واقعۂ حرہ، نہ حجر بن عدی کا قتل، نہ بنو امیہ کے ظلم، حتیٰ کہ بعض خلفاء کی تفصیلات بھی ضائع ہو جائیں گی۔ یہ منہج امت کو بے تاریخ اور لاعلم بنا دیتا ہے

(ابن کثیر، البدایہ والنہایہ 8/221؛

ابن حجر، النکت 2/714؛

ابن عبد البر، الاستیعاب 3/1142)۔

جب حضرت حسینؓ نے مسلم بن عقیلؓ کو اپنا نمائندہ کوفہ بھیجا تو اس کا مقصد یہی تھا کہ پہلے حالات کا قریب سے جائزہ لیا جائے اور اگر واقعی کوفہ کے لوگ اپنی حمایت میں پختہ نکلیں تو امامؑ خود وہاں تشریف لے جائیں۔

مسلم بن عقیلؓ کوفہ پہنچے تو ابتدائی حالات ان کے حق میں نظر آئے؛ ہزاروں لوگوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی، کئی بڑے سرداروں نے بھی ظاہری طور پر ساتھ دینے کا اعلان کیا اور اس پر مسلمؓ نے امام حسینؓ کو خوشخبری بھیج دی کہ حالات سازگار ہیں اور آپ آ جائیں (الطبری، تاریخ الأمم والملوک 5/357؛

ابن کثیر، البدایہ والنہایہ 8/158؛ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ 5/63)۔

لیکن حقیقت یہ تھی کہ کوفیوں کے جذبات اور عملی ثابت قدمی میں بہت فرق تھا۔ عین اسی وقت یزید نے سخت اقدام کے طور پر کوفہ کا گورنر بدل دیا اور عبید اللہ بن زیاد کو مقرر کیا۔

عبید اللہ بن زیاد —

جو زیاد بن ابی سفیان کا بیٹا تھا — اپنی سیاسی چالاکی، سخت گیری اور بے رحمی کے سبب مشہور تھا۔ اس نے آتے ہی سخت حکمتِ عملی اپنائی: جاسوس پھیلائے، مخالفین کو دھمکایا، چھوٹے بڑے جرائم پر گرفت کی، قبیلائی سرداروں کو مال و مناصب دے کر اپنے ساتھ ملایا اور یوں آہستہ آہستہ کوفہ کے عوام کے حوصلے توڑ دیے

(الطبری 5 / 359؛ ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ 3 / 410)۔

یہاں ایک نکتہ واضح رہنا چاہیے کہ کوفہ کے جن نمائندوں اور افراد نے حضرت مسلم بن عقیلؓ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی وہ زیادہ تر "زبانی" اور "جذباتی" بیعتیں تھیں، جو وقتی جوش و امید کی بنیاد پر کی گئیں۔

لیکن جب عبید اللہ بن زیاد کی طرف سے کھلی دھمکیاں، فوجی دباؤ اور ذاتی خطرات سامنے آئے تو وہی لوگ گھبرا گئے اور اپنے اہل و عیال کی حفاظت کے لیے پیچھے ہٹ گئے۔ یوں جو وعدہ بیعت کے وقت زبانی جرأت کی شکل میں تھا، وہ عملی میدان میں ثابت نہ رہ سکا

(ابن کثیر، البدایہ والنہایہ 8 / 162؛ ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ 3 / 412)۔

عبید اللہ نے اس موقع پر نہایت ہوشیاری اور سخت گیری سے کام لیا: مسلم کے حامیوں کے درمیان اختلاف ڈالا، بعض سرداروں کو مال و مناصب دے کر اپنے ساتھ ملایا، بعض کو دھمکیوں سے ڈرایا اور رات کے وقت گرفتاریوں و قتل کے ذریعے عوام میں شدید خوف پیدا کیا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ مسلم کے گرد موجود گروہ تیزی سے منتشر ہوتا گیا اور لوگ ایک ایک کر کے بیعت توڑنے لگے یا چھپ گئے

(الطبری، تاریخ الأمم والملوک 5/360؛

ابن کثیر 8/163)۔

مسلم بن عقیلؑ نے امام حسینؑ کو اطلاع دی کہ بظاہر وعدہ و بیعت تو بڑی ہے مگر عملی میدان میں لوگ ڈرتے اور بکھر جاتے ہیں۔ اسی بنا پر جب امام حسینؑ نے کوفہ کی طرف سفر کا ارادہ کیا تو وہاں کی حمایت پہلے جیسی مضبوط نہ رہی۔

اہلِ کوفہ کا مشہور شعار "ہم آپ کو بلا رہے تھے، آپ آئیں" دراصل ایک تلخ حقیقت کی نشاندہی کرتا ہے کہ عوامی حمائیت اور عملی وفاداری میں بہت فرق تھا۔

اس کی وجوہات میں قبائلی وابستگیاں، مالی ترغیبات، اموی طاقت کا خوف اور مقامی سرداروں کا دباؤ شامل تھے، جبکہ مسلمؑ کے پاس نہ مستقل فوج تھی نہ طویل المدت منصوبہ بندی، بلکہ وہ محض خطوط اور زبانی وعدوں پر اعتماد کر کے خطرناک سیاسی خلاء میں داخل ہو گئے تھے (ابن سعد، الطبقات الکبریٰ 5/65؛ ابن الاثیر 3/413)۔

بالآخر اس کا سب سے تلخ انجام یہ ہوا کہ مسلم بن عقیلؓ تنہا رہ گئے، گرفتار ہوئے اور شہادت کے مرتبے پر فائز ہو گئے، اور یہ خبر امام حسینؓ تک پہنچی جس نے پھر ان کے اگلے قدم کا رخ متعین کیا

(الطبری 5/361؛ ابن کثیر 8/165)۔

ادھر یزید نے یہ صورتِ حال سن کر عبید اللہ بن زیاد کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا۔ ابن زیاد اپنی سختی، مکاری اور ظلم کے سبب مشہور تھا۔

وہ بصرہ سے نکل کر کوفہ آیا اور دارالامارہ میں جا بیٹھا۔ اس نے قبیلائی سرداروں کو بلا کر ڈرایا، دھمکایا، بعض کو رشوت دے کر اپنے ساتھ ملایا اور کھلے عام اعلان کیا کہ جو مسلمؓ کا ساتھ دے گا وہ قتل یا قید کیا جائے گا

(الطبری 5/359؛ ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ 3/409)۔

ابتدا میں ہزاروں افراد نے بیعت کی تھی لیکن جیسے ہی ابن زیاد نے خوف و دھونس کی پالیسی اپنائی، لوگ پیچھے ہٹنے لگے، قبائل اپنے سرداروں کے کہنے پر الگ ہو گئے اور اکثر افراد گھروں میں جا چھپے۔ یہاں تک کہ مسلمؓ ایک وقت ایسے مقام پر پہنچے کہ ہزاروں کے مجمع سے نکل کر تنہا رہ گئے

(ابن الاثیر 3/410)۔

ان کا اصل مرکز ہانی بن عروہؓ کا گھر تھا، مگر جب ابن زیاد کو شک ہوا تو اس نے ہانی کو بلا کر قید کر لیا اور سخت مار اپیٹا، یہاں تک کہ وہ شہید کر دیے گئے۔

اس کے بعد مسلم بن عقیلؓ بالکل بے یار و مددگار رہ گئے اور ان کے گرد موجود جماعت منتشر ہو گئی (ابن سعد، الطبقات الکبریٰ 5 / 65؛ ابن کثیر 8 / 163)۔

حضرت مسلم بن عقیلؓ نے جب دیکھا کہ کوفہ کے لوگ پیچھے ہٹ گئے ہیں تو کچھ دیر تک بہادری سے لڑتے رہے، لیکن بالآخر گرفتار کر لیے گئے۔ انہیں دارالامارہ کی چھت پر لے جا کر شہید کر دیا گیا (الطبری، تاریخ الأمم والملوک 5 / 362؛ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ 8 / 168)۔

شہادت سے قبل مسلمؓ نے اہلِ کوفہ کی جھوٹی بیعت اور بے وفائی پر گہرا افسوس کیا اور ایک غلام کے ذریعے امام حسینؓ کو پیغام دیا کہ کوفہ والوں نے جو خطوط بھیجے تھے وہ محض فریب ہیں، لہٰذا آپ فوراً اطلاع پا لیں کہ یہاں آنا خطرناک ہے (ابن سعد، الطبقات الکبریٰ 5 / 66؛ ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ 3 / 414)۔

دوسری طرف عبید اللہ بن زیاد کی پالیسی — جو خوف، رشوت اور دھوکے پر مبنی تھی — نے اہلِ کوفہ کے ارادے توڑ دیے اور ان کے جوش کو منتشر کر دیا۔ یہی واقعہ امام حسینؓ کی تحریک کے اگلے مرحلے کی بنیاد بنا اور سانحۂ کربلا تک کے راستے کو ہموار کیا (الطبری 5 / 363؛ ابن کثیر 8 / 169؛ ابن الاثیر 3 / 415)۔

امام حسینؓ نے حالات کا باریک بینی سے جائزہ لیا اور ان کے نزدیک اصل مسئلہ یہ تھا کہ اگر یزید کی حکومت کو بلا شرط تسلیم کر لیا گیا تو اسلام محض ایک عبادتی مذہب بن کر رہ جائے گا، جس کی قوت مسجد کی چار دیواری تک محدود ہو گی۔

جبکہ توحید کا اصل مفہوم یہ ہے کہ اللہ کی حاکمیت صرف عبادات تک نہیں بلکہ سیاست، حکومت اور معاشرت کے تمام شعبوں پر قائم ہو۔

اگر سیاست پر اللہ و رسولؐ کے احکام کا نفاذ نہ ہو تو "اللہ اکبر" محض ایک لفظ بن جائے گا اور عملی زندگی پر اس کا کوئی اثر باقی نہیں رہے گا۔

اسی بصیرت کی بنیاد پر امام حسینؓ نے فیصلہ کیا تھا کہ یہ وقت صرف اپنی جان بچانے یا وقتی امن لینے کا نہیں بلکہ اسلام کے اصل تصورِ توحید کو زندہ رکھنے کا ہے (ابن سعد 5 / 67؛ ابن الاثیر 3 / 416)۔

امام حسینؓ حج کے لیے تیار تھے، لیکن جب آپ کو یہ اطلاع ملی کہ یزید کے کارندے مکہ میں آپ کو قتل کرنے کی سازش کر رہے ہیں تو آپ نے حج کو موقوف کر کے عمرہ میں بدل دیا اور آٹھ ذوالحجہ (یومِ الترویہ) کو مکہ سے روانہ ہو گئے۔

یہ اس بات کی علامت تھی کہ امام حسینؓ کے نزدیک اس وقت سب سے بڑی عبادت "اسلام کے تحفظ" کی جدوجہد تھی، حتیٰ کہ حج جیسی عظیم عبادت کو بھی آپ نے ملتوی کر دیا (الطبری، تاریخ الأمم والملوک 5 / 362؛ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ 8 / 164؛ ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ 3 / 412)۔

اس موقع پر کئی جلیل القدر صحابہ و تابعین نے امام کو رکنے کا مشورہ دیا، جن میں عبد اللہ بن عمرؓ، عبد اللہ بن عباسؓ، عبد اللہ بن زبیرؓ اور عبد اللہ بن جعفرؓ شامل تھے۔

یہ سب چاہتے تھے کہ امام حسینؓ مکہ ہی میں قیام کریں اور کوفہ کے دھوکہ باز لوگوں پر اعتماد نہ کریں۔ لیکن امام حسینؓ نے فرمایا کہ یہ معاملہ صرف جان بچانے یا امان لینے کا نہیں بلکہ اسلام کو باقی رکھنے کا ہے۔ ہمیں گردن بچانے کے بجائے دینِ حق کو ترجیح دینی ہے (ابن کثیر 8/165؛ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ 5/68)۔

اس طرح امام حسینؓ نے واضح پیغام دیا کہ دین صرف مسجد اور عبادات تک محدود نہیں بلکہ اقتدار اور سیاست بھی اسی کے تابع ہیں۔

اگر اقتدار ایسے لوگوں کے ہاتھ میں ہو جو اللہ و رسولؐ کے احکام کو پسِ پشت ڈال دیں تو نتیجہ توحید کے بگاڑ کی صورت میں نکلے گا۔ لہٰذا امام حسینؓ کے نزدیک سیاسی جدوجہد ہی دراصل توحید کی تکمیل تھی (الطبری 5/363؛ ابن الاثیر 3/413)۔

جیسا کہ علامہ اقبال نے کہاہے شیطان کی زبانی کہ

مست رکھو ذکر و فکر صبح گاہی میں اسے

اور پختہ تر کر دو مزاج خانقاہی میں اسے

یعنی امت مسلمہ کو صرف عبادت میں لگادو اور سیاست سے دور کردو پھر اس زمین پر ہماری حکمرانی ہو گی یعنی شیطان کی حکمرانی

امام حسینؓ مکہ یا مدینہ سے اس لیے نہیں نکلے کہ صرف اپنی جان بچائیں یا کوئی ذاتی الزام ثابت کریں، بلکہ آپؓ ایک زندہ اور عملی ثبوت دینا چاہتے تھے کہ وہ حکمران، جنہیں لوگ بظاہر نیک یا قابلِ اعتماد سمجھتے ہیں، درحقیقت اسلام کی جڑوں کو کمزور کر سکتے ہیں۔

امام حسینؓ کا مقصد یہ واضح کرنا تھا کہ اسلام کا تصور محض عبادات اور قلبی ایمان تک محدود نہیں، بلکہ اس کا دائرہ سیاست، حکمرانی اور قانونِ شریعت تک پھیلا ہوا ہے۔

اگر کوئی حکمران دنیاوی طاقت کے بل پر اللہ و رسولؐ کے احکام کو پسِ پشت ڈال دے تو پھر تقویٰ، نماز اور روزے جیسے اعمال کا عملی اثر باقی نہیں رہتا۔

اسی لیے امام حسینؓ نے یزید کی بیعت قبول نہ کی اور اپنی قیادت کو قربانی کے ذریعے ثابت کرنے کا فیصلہ کیا (الطبری، تاریخ الأمم والملوک 5/364؛ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ 8/166)۔

آپؓ نے امت کو ایک واضح امتحان اور دلیل دینا چاہی:

یہ دیکھ لو کہ یزید اور اس کے ساتھیوں کا طرزِ عمل کیا ہے اور میرا طرزِ عمل کیا ہے—پھر فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے کہ حق پر کون ہے اور باطل پر کون۔

امام حسینؓ نے اہلِ بیتؓ اور خلافتِ راشدہ کے تسلسل کو اسلام کی بنیاد قرار دیا اور فرمایا کہ اگر یہ رشتہ ٹوٹ گیا تو توحید محض ایک لفظ رہ جائے گی (ابن کثیر 8/167؛ الطبری 5/365)۔

تاہم عوامی کم فہمی ایک بڑی رکاوٹ بنی؛

اہلِ کوفہ نے پہلے ہزاروں کی تعداد میں بیعتیں تو کیں لیکن جب عبید اللہ بن زیاد نے خوف، رشوت اور دھونس کی پالیسی اپنائی تو یہ لفظی حمایت عملی ثابت قدمی میں نہ بدل سکی۔

اسی طرح مدینے اور مکہ کے کئی لوگ بھی ابتدا میں مشورے دیتے رہے کہ امامؓ یہیں قیام کریں، مگر جب کربلا میں خون بہا اور امامؓ مع اہلِ بیت شہید کر دیے گئے تو یہی سانحہ مدینہ اور مکہ کے لوگوں کو جھنجھوڑنے کا سبب بنا (ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ 3/415؛ الطبری 5/366)۔

کربلا کے بعد پیدا ہونے والا صدمہ اتنا شدید تھا کہ مدینہ میں واقعۂ حرہ اور مکہ میں ابن زبیر کی قیادت جیسی تحریکیں ابھریں، لیکن یہ بیداری بعد از شہادت تھی—امام حسینؓ نے اپنی قربانی کے ذریعے امت کو جگانے کا حقیقی سبب خود بن کر دکھایا (ابن کثیر 8/170؛ الطبری 5/367)۔

امام حسینؓ کی شہادت کے بعد امت میں ایک تدریجی مگر گہری بیداری پیدا ہوئی۔ مدینہ اور مکہ میں لوگ پہلے خاموش رہے، لیکن جب یزید کی جابرانہ پالیسیوں اور اہلِ بیتؓ پر ڈھائے گئے مظالم کی خبریں عام ہوئیں تو دلوں میں بغاوت کی چنگاریاں بھڑک اٹھیں۔

مورخین اس پر متفق ہیں کہ امام حسینؓ کا فیصلہ محض ذاتی جرأت یا وقتی جوش نہیں تھا بلکہ ایک گہرا نظریاتی اور سیاسی اعلان تھا کہ اسلام کی بقا صرف عبادت تک محدود نہیں بلکہ سیاست، حکومت اور معاشرت میں بھی اللہ کی حاکمیت قائم رکھنا ضروری ہے۔

یہی وجہ تھی کہ آپؓ نے حج کو ملتوی کر کے جدوجہد کو ترجیح دی اور فرمایا:

"إِنِّي لَا أَرَى الْمَوْتَ إِلَّا سَعَادَةً۝ وَلَا الْحَيَاةَ مَعَ الظَّالِمِينَ إِلَّا بَرَمًا۔"

(تاریخ الطبری، ج5، ص403)

یعنی: "میں موت کو سعادت کے سوا کچھ نہیں سمجھتا اور ظالموں کے ساتھ زندگی گزارنے کو بوجھ سمجھتا ہوں۔"

ابن کثیر لکھتے ہیں کہ امام حسینؓ بخوبی جانتے تھے کہ یزید کی بیعت میں امت کے لیے عظیم فساد ہے، اس لیے انہوں نے اطاعت کے بجائے شہادت کو ترجیح دی:

"وَكَانَ الْحُسَيْنُ يَعْلَمُ أَنَّ الْبَيْعَةَ لِيَزِيدَ فِيهَا فَسَادٌ عَظِيمٌ عَلَى الْأُمَّةِ۝ فَآثَرَ الشَّهَادَةَ عَلَى الْخُضُوعِ۔"

(البدایہ والنہایہ، ج8، ص163)

اسی حقیقت کو ابن عبد البر نے بھی اجاگر کیا کہ امام حسینؓ شہید و مظلوم اور کریم المرتبت تھے، اور اللہ نے ان کے ذریعے دین کو بلند کیا اور لوگوں کو آزمایا:

"قُتِلَ الْحُسَيْنُ مَظْلُومًا شَهِيدًا كَرِيمًا۝ وَكَانَ مِمَّنْ عَظَّمَ اللَّهُ بِهِ الدِّينَ۝ وَامْتَحَنَ بِهِ الْعِبَادَ."

(الاستیعاب، ترجمہ امام حسینؓ)

جب آپؓ کی شہادت کی خبر پھیلی تو مدینہ والوں نے یزید کے خلاف کھلے عام بغاوت کر دی اور اس کی بیعت توڑ دی۔

ابن الاثیر کے مطابق:

"فَلَمَّا قُتِلَ الْحُسَيْنُ انْتُهِكَتْ حُرْمَةُ الْمَدِينَةِ وَقَامَ أَهْلُهَا عَلَى يَزِيدَ وَنَكَثُوا بَيْعَتَهُ."

(الکامل فی التاریخ، ج3، ص280)

یوں امام حسینؓ کی قربانی نے امت کو یہ سبق دیا کہ دین صرف محراب و منبر کی حد تک محدود نہیں، بلکہ سیاسی نظام میں بھی اللہ و رسولؐ کے احکام کا جاری رہنا لازم ہے۔

آپؓ نے اپنی شہادت کے ذریعے امت کو جھنجھوڑا، یزیدی سیاست کے فریب کو بے نقاب کیا اور امت کو یہ دکھا دیا کہ اسلام کا دفاع جان کی قربانی سے بھی زیادہ اہم ہے۔

حضرت امام حسینؓ کا اپنے اہلِ خانہ کو ساتھ لے کر نکلنے کا فیصلہ کسی جذباتی یا غیر محتاط بہادری کا نتیجہ نہیں تھا بلکہ ایک گہری حکمت اور نظریاتی پس منظر رکھتا تھا۔

آپؑ جانتے تھے کہ اگر آپ اکیلے نکلتے اور شہید ہو جاتے تو اسے ایک عام بغاوت قرار دے کر لوگ یہ کہہ سکتے تھے کہ یہ محض ایک سیاسی تصادم تھا۔ لیکن جب آپؑ نے اپنی اہلیہ، بچوں اور اہلِ بیتؑ کو اپنے ساتھ رکھا تو یہ معاملہ صرف عسکری نہیں رہا بلکہ ایک اخلاقی و اجتماعی امتحان بن گیا۔

اگر اموی طاقت واقعی شریعت کی پابند تھی تو وہ عورتوں اور بچوں پر ہاتھ نہ اٹھاتی، اور اگر انہوں نے ایسا کر دیا تو دنیا کے سامنے یہ حقیقت واضح ہو جاتی کہ ان کی حکومت دراصل ظلم و جبر اور دین کو مسخ کرنے کی کوشش ہے۔ (الطبری، تاریخ الامم والملوک، ج4، ص262–270؛ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج8، ص160–170)

امام حسینؑ نے اس حکمت سے ظلم کا اصل چہرہ بے نقاب کیا۔ اگر کوفہ والے اپنے وعدوں پر قائم رہتے تو اہلِ بیتؑ کے ساتھ موجود ہونا مشکل نہ تھا، لیکن جب وہ پیچھے ہٹ گئے تو ان کی وعدہ خلافی بھی کھل کر سامنے آگئی۔

دوسری طرف جب اموی لشکر نے عورتوں اور بچوں تک کو ظلم کا نشانہ بنایا تو یہ امت کے لیے ایک ناقابلِ تردید ثبوت بن گیا کہ یزیدی حکومت کے دعوے شرعی اور اخلاقی بنیادوں پر قائم نہیں۔ (ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج3، ص280)

یہ فیصلہ دراصل امت کے لیے ایک کھلا امتحان تھا۔ امام حسینؑ نے واضح کیا کہ وہ اپنی جان قربان کر دیں گے مگر دین کو قربان نہیں کریں گے۔

اسی مقصد کے لیے آپؑ نے حج کو ترک کر کے جدوجہد کو ترجیح دی تاکہ امت اپنی آنکھوں سے دیکھے کہ دین کی حفاظت محض عبادات تک محدود ہے یا سیاست و معاشرت تک پھیلی ہوئی ہے۔

چنانچہ جب یزیدی طاقت نے خاندانِ رسول ﷺ پر بھی ظلم کیا تو وہی واقعہ، جسے وقتی طور پر چھپایا جا سکتا تھا، عوامی ضمیر میں ہمیشہ کے لیے نقش ہو گیا اور بیداری کی ایک نئی لہر پیدا ہوئی۔ (البدایہ والنہایہ، ج 8، ص 163؛ تاریخ طبری، ج 5، ص 403)

نتیجتاً، کربلا کا واقعہ صرف ایک جنگ نہیں رہا بلکہ ایک اخلاقی و فکری اعلان بن گیا۔ اس شہادت نے امت کو جھنجھوڑا، مدینہ اور مکہ میں ردِ عمل پیدا ہوا، ابن زبیر جیسے قیادت کے مراکز ابھرے اور اموی حکومت کی اخلاقی حیثیت کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا۔

اس طرح امام حسینؓ کی دور اندیشی اور حکمت نے اسلام کی اصل روح کو بچایا اور ظلم کو اس کے اصل چہرے کے ساتھ دنیا کے سامنے آشکار کر دیا۔ (الکامل فی التاریخ، ج 3؛ البدایہ والنہایہ، ج 8)

اہلِ کوفہ، جو حسینؓ کے منتظر تھے، خوشی سے نعرے لگاتے رہے: "مرحبا یا ابن رسول اللہ!" اور پھول نچھاور کرتے رہے۔ لیکن جب وہ قصر الامارہ (گورنر ہاؤس) میں پہنچ کر نقاب ہٹاتا ہے تو حقیقت سامنے آتی ہے کہ یہ ابن زیاد ہے۔

اس اچانک انکشاف نے کوفہ والوں پر خوف اور مایوسی طاری کر دی اور ان کے حوصلے ٹوٹنے لگے۔ (تاریخ الطبری، ج 5، ص 354–355؛ ابو مخنف، مقتل الحسین، ص 78–79؛ ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، ج 3، ص 406)

یوں کوفہ میں وہ کیفیت پیدا ہوئی جسے ایک "چوک" یا نفسیاتی جھٹکا کہا جا سکتا ہے۔ اہلِ کوفہ پہلے ہی امام حسینؓ کے آنے کے انتظار میں تھے اور حج کے موقع پر آپؓ کی روانگی کی خبر سے ان کی امیدیں اور بھی بڑھ گئی تھیں، مگر ابن زیاد کی اس سیاسی چال نے ایک ہی لمحے میں فضا بدل دی۔

عوام کے دلوں پر رعب بیٹھ گیا، ان کی ہمتیں کمزور پڑ گئیں اور مسلم بن عقیلؓ کی حمایت بھی رفتہ رفتہ ٹوٹنے لگی۔

اس طرح بظاہر تاریخ نے یہ رخ اختیار کیا کہ یزیدی قوت غالب آ گئی، حالانکہ حقیقت میں یہ اللہ کی تقدیر تھی، جس کے پردے میں ابن زیاد کی چالاکی اور کوفہ والوں کی کمزوری ایک بڑی وجہ بنی

1. نعمان بن بشیر کی معزولی اور یزید کا فیصلہ

تاریخ طبری میں ابو مخنف کے طریق سے:

فَكَتَبَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُسْلِمٍ الْحَضْرَمِيُّ إِلَى يَزِيدَ يُخْبِرُهُ بِأَمْرِ مُسْلِمٍ وَابْنِ عُقَيْلٍ وَاجْتِمَاعِ النَّاسِ عَلَيْهِ۞ فَدَعَا يَزِيدُ سَرْجُونَ مَوْلَى مُعَاوِيَةَ۞ فَاسْتَشَارَهُ۞ فَقَالَ: أَشِرْ عَلَيَّ بِرَجُلٍ أُسَلِّطُهُ عَلَى الْكُوفَةِ.

فَقَالَ: أَرَأَيْتَ لَو بَعَثْتَ لَهُمْ عُبَيْدَ اللَّهِ بْنَ زِيَادٍ۞ فَقَدْ كَفَاكَ الْبَصْرَةَ وَهُوَ مُجَرَّبٌ۞ فَبَعَثَهُ إِلَيْهِمْ وَكَتَبَ إِلَيْهِ أَنْ يَضُمَّ الْكُوفَةَ إِلَى الْبَصْرَةِ.

الطبري، تاریخ الأمم والملوک، ج5، ص353–354 (دار التراث)

2. ابن زیاد کی تقرری کا حکم

ابن کثیر نے بھی نقل کیا ہے:

فَكَتَبَ يَزِيدُ بْنُ مُعَاوِيَةَ إِلَى عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ زِيَادٍ وَهُوَ عَلَى الْبَصْرَةِ۝ أَنْ يَسِيرَ إِلَى الْكُوفَةِ فَيَطْرُدَ عَنْهَا النُّعْمَانَ بْنَ بَشِيرٍ۝ وَيَضُمَّهَا إِلَى عَمَلِهِ.

ابن کثیر، البدایۃ والنھایۃ، ج8، ص163 (دار ھجر)

3. ابن اثیر کی روایت

فَكَتَبَ يَزِيدُ إِلَى عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ زِيَادٍ۝ وَكَانَ عَلَى الْبَصْرَةِ۝ أَنْ يَسِيرَ إِلَى الْكُوفَةِ فَيُوَلَّاهَا مَعَ الْبَصْرَةِ۝ فَخَرَجَ حَتَّى قَدِمَهَا وَقَدْ تَلَثَّمَ.

ابن الأثیر، الکامل في التاریخ، ج3، ص406 (دار صادر)

نتیجہ:

تینوں بڑے مآخذ (طبری، ابن کثیر، ابن اثیر) صاف طور پر بتاتے ہیں کہ:

نعمان بن بشیر یزید کے حکم سے معزول ہوئے۔

عبید اللہ بن زیاد کو یزید نے ہی بصرہ کے ساتھ کوفہ کا بھی گورنر مقرر کیا۔

اس بات کا کوئی متبادل بیان نہیں ملتا کہ یہ فیصلہ کسی اور نے کیا ہو۔

یزید کی خلافت کے ابتدائی دور میں گورنری کے معاملات خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ مدینہ میں اس وقت ولید بن عتبہ بن ابی سفیان گورنر تھے، جیسا کہ طبری اور ابن کثیر نے ذکر کیا ہے (الطبري، ج5، ص340–341؛ ابن کثیر، ج8، ص155)۔

کوفہ کی گورنری نعمان بن بشیر انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس تھی جو نرم دل اور شریف النفس صحابی تھے۔ انہوں نے مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کے کوفہ آنے پر سختی کرنے سے انکار کیا اور کہا: «مَا كُنتُ لأَ قاتلُ ابنَ بنتِ رسول اللہ» (الطبري، ج5، ص352)۔

تاہم جب کوفہ سے یزید کو اطلاع ملی کہ ہزاروں لوگوں نے مسلم بن عقیل کے ہاتھ پر بیعت کر لی ہے تو اس نے اپنے مشیر سرجون سے مشورہ کیا، جس نے عبید اللہ بن زیاد کا نام تجویز کیا۔ اس پر یزید نے نعمان بن بشیر کو معزول کر کے عبید اللہ بن زیاد کو بصرہ کے ساتھ کوفہ کا بھی گورنر مقرر کر دیا۔ یہ بات طبری، ابن کثیر اور ابن اثیر تینوں مؤرخین نے نقل کی ہے (الطبري، ج5، ص353–354؛ ابن کثیر، ج8، ص163؛ ابن الأثیر، ج3، ص406)۔

ابو مخنف لوط بن یحیی الأزدی (وفات 157ھ) کی روایات واقعہ کربلا اور یزید کے دور کے حالات بیان کرنے میں سب سے زیادہ مستند اور مفصل ماخذ سمجھی جاتی ہیں۔ اگرچہ بعض محدثین نے انہیں حدیثِ نبوی کے اعتبار سے ضعیف قرار دیا اور یہ سفارش کی کہ ان کی روایت سے احکام شرعی یا سنت نبوی اخذ نہ کی جائے،

مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ تاریخ کے میدان میں ان کی روایت بے اعتبار ہو۔ مورخین نے ابو مخنف کی تحریروں کو قبولیت دی اور وسیع پیمانے پر ان پر انحصار کیا۔

امام طبری، بلاذری، ابن قتیبہ، مسعودی، ابن اثیر اور دیگر مؤرخین نے اپنی تاریخی تفاسیر اور کتب سیرت میں ابو مخنف کی روایات کو بنیاد بنایا اور انہیں اہلِ تاریخ کا معتبر ماخذ قرار دیا (الطبري، تاريخ الأمم والملوك؛ بلاذري، أنساب الأشراف؛ ابن أثير، الكامل في التاريخ)۔

اس طرح واضح ہوتا ہے کہ ابو مخنف کی روایتیں تاریخی حقائق کی تحقیق کے لیے نہایت اہم ہیں، اگرچہ فقہی یا حدیثی مسائل کے لیے ان پر انحصار محدود ہے۔

ابو مخنف پر محدثین کی جو جرح کی گئی ہے وہ مبہم اور غیر مفصل تھی، یعنی صرف یہ کہا گیا کہ وہ "ضعیف" یا "لیس بثقة" ہیں، لیکن کوئی واضح اور مفصل سبب بیان نہیں کیا گیا۔ ایسی مبہم جرح صرف حدیثِ احکام یا فقہی استدلال پر اثر ڈالتی ہے، مگر تاریخ، سیرت اور مغازی کے میدان میں اسے دلیل کے طور پر نہیں لیا جاتا (امام ذہبی، میزان الاعتدال 3/419:

"لوط بن یحیی اخباری شیعی ہے، لیکن تاریخ اور مغازی کے باب میں اس کی روایات سے استفادہ کیا جاتا ہے")۔

مزید یہ کہ ابو مخنف کے ذریعے نقل شدہ اکثر واقعات مختلف طرق سے بھی آئے، اور جب کسی واقعے، مثلاً کربلا، کی روایت مختلف سندوں میں مشہور اور متواتر ہو جائے تو ایک راوی کی کمزوری اس کی تاریخی صداقت پر اثر نہیں ڈالتی۔

امام طبری نے پورے واقعہ کربلا کو تقریباً ابو مخنف سے ہی نقل کیا، اور بلاذری (انساب الأشراف) نے بھی ان پر اعتماد کیا، بعد کے مؤرخین جیسے ابن اثیر اور ابن خلدون نے انہی روایات کو آگے منتقل کیا۔

نتیجہ یہ ہے کہ ابو مخنف اگرچہ حدیث کے باب میں ضعیف ہیں، مگر تاریخ میں اہلِ خبر کے امام مانے جاتے ہیں، اور ان کی تاریخی روایات کو رد کرنا علمی لحاظ سے درست نہیں (الطبري، تاريخ الأمم والملوك؛ بلاذري، أنساب الأشراف؛ ابن الأثير، الكامل في التاريخ)۔

ابو مخنف لوط بن یحیی کے بارے میں محدثین اور مورخین کے درمیان موقف مختلف رہا۔ محدثین نے انہیں حدیث کے باب میں ضعیف یا غیر مستند قرار دیا، مثلاً یحییٰ بن معین نے کہا "ليس بثقة" (تاریخ ابن معین، ج3، ص450)،

ابن عدی نے لکھا کہ "شیعی ہے اور اس کی زیادہ تر روایات شیعہ رنگ رکھتی ہیں" (الکامل فی الضعفاء، ج7، ص2408)،

اور دارقطنی نے انہیں "ضعیف" قرار دیا (الضعفاء والمتروکین، ص236)۔

تاہم یہ تمام جرحیں مبہم تھیں، یعنی صرف ضعیف یا ثقہ نہ ہونے کی طرف اشارہ کیا گیا، کوئی مفصل اور واضح سبب بیان نہیں کیا گیا، اور اسی وجہ سے یہ جرح صرف حدیثی استدلال پر اثر ڈالتی ہے۔

مورخین کے نزدیک ابو مخنف ایک معتبر ماخذ تھے۔ امام طبری نے اپنی "تاریخ الامم والملوک" میں واقعہ کربلا اور کوفہ کی تاریخ کے بڑے حصے ابو مخنف سے ہی نقل کیے۔

امام بلاذری نے انساب الاشراف میں بھی بنو امیہ کے دور اور کربلا کے واقعات ابو مخنف سے لیا۔

امام ذہبی نے لکھا: "لوط بن یحیی أخباری، شیعی صادق، إلا أنه لا يترك" (میزان الاعتدال، ج3، ص419)،

اور ابن حجر عسقلانی نے کہا: "اِخباری تالف لایوثق بہ، ومع ذلک فأخبارہ مشھورۃ معروفۃ" (لسان المیزان، ج4، ص492)،

یعنی اگرچہ اخباری ہیں اور کچھ کمزوریاں ہیں، مگر خبریں مشہور اور معتبر ہیں۔ شمس الدین ذہبی نے بھی ابومخنف کو "أخباری معتبر" قرار دیا اور بڑے تاریخی واقعات کے لیے ان سے استناد کیا۔

خلاصہ یہ کہ محدثین نے ابومخنف کو صرف حدیث کے باب میں ضعیف کہا تاکہ ان کی روایات سے احکام و سنت اخذ نہ ہوں، لیکن مورخین اور ائمہ تاریخ نے انہیں تاریخ کا اہم ماخذ مانا۔ ان پر مبہم جرح ہونے کے سبب تاریخی روایتوں کو رد کرنا درست نہیں، اور اگر ابومخنف کی روایتیں رد کر دی جائیں تو امام طبری، بلاذری اور دیگر مؤرخین کی تاریخ کا بڑا حصہ ضائع ہو جائے گا۔

(الطبري، تاریخ الأمم والملوک؛ بلاذري، أنساب الأشراف؛ میزان الاعتدال، ج3، ص419؛ لسان المیزان، ج4، ص492)

کفایت اللہ سنابلی اپنی کتاب یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ میں اصولی تضاد کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ ایک طرف وہ موقف اختیار کرتے ہیں کہ "یزید پر الزامات ضعیف اور ناقابلِ اعتماد ہیں کیونکہ یہ ابومخنف وغیرہ کی روایات پر مبنی ہیں"،

لیکن دوسری طرف کئی مقامات پر وہ خود ابومخنف کی روایت کو دلیل کے طور پر قبول کرتے ہیں، یہ کہتے ہوئے کہ مورخین نے ابومخنف کو قبول کیا ہے۔ مثلاً وہ لکھتے ہیں:

"ابو مخنف کو مورخین نے قبول کیا ہے" (صفحہ ۳۱۲) اور کچھ جگہوں پر وہ ابو مخنف کی روایت کو بطور حوالہ استعمال کرتے ہیں۔

تاہم جب ابو مخنف کی روایت یزید کے خلاف آتی ہے تو وہ یکدم کہتے ہیں کہ "ابو مخنف شیعہ ہے، ضعیف ہے، اس کی روایات کا کوئی اعتبار نہیں"۔

متن کے متعدد مقامات پر وہ اسی مفہوم کو الفاظ جیسے "...وکان غالیا فی التشیع..." اور دیگر جملوں میں دہراتے ہیں، اور بعض جگہ لکھتے ہیں کہ روایات کذِب، ضعیف یا مشکوک ہیں۔

دوسری طرف، وہ بعض مقامات پر دلیل دیتے ہیں کہ تاریخی واقعات کو صرف ایک سند پر نہیں ٹکانا چاہیے اور جب مورخین (طبری، بلاذری وغیرہ) نے واقعہ ابو مخنف کے ذریعے نقل کیا ہو تو اسے معتبر تاریخی ماخذ سمجھا جاتا ہے، اور اسی بنیاد پر وہ بعض جگہ ابو مخنف کی روایت کو استناد کے لیے استعمال کرتے ہیں۔

نتیجہ یہ کہ کتاب کے اندر واضح اختلافِ مزاج موجود ہے: سنابلی بعض مقامات پر ابو مخنف کو ضعیف اور شیعہ قرار دیتے ہیں، اور بعض مقامات پر انہی روایتوں کو مورخین کی روایت مان کر استعمال کرتے ہیں، یعنی مصنّف اپنے مفاد کے مطابق کبھی ابو مخنف کو رد کرتے ہیں اور کہیں قبول کر لیتے ہیں۔ (ماخذ: کفایت اللہ سنابلی، یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ،

حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب کوفہ پہنچے تو ابتدائی طور پر مختار ثقفی کے گھر قیام پذیر ہوئے اور بعد ازاں اپنے میزبان ہانی بن عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر منتقل ہو گئے۔ اس وقت یزید کی طرف سے کوفہ کا گورنر مقرر کیا گیا عبید اللہ بن زیاد حالات سے بخوبی آگاہ تھا۔

اس نے شہر پر اپنی گرفت مضبوط کرنے کے لیے فوری اقدامات کیے۔ چند درجن سپاہیوں کو ساتھ ملا کر اس نے قبائل کے سرداروں پر دباؤ ڈالا اور ان سے کہا کہ وہ اپنے رشتہ داروں اور قریبی افراد کو اُس کے سپرد کریں۔

عبید اللہ نے یہ بھی واضح کر دیا کہ جو شخص اس کے حکم سے انکار کرے گا، اُس پر سخت سزا نافذ کی جائے گی۔

اس پالیسی کے نتیجے میں کوفہ میں خوف اور دہشت کی فضا قائم ہو گئی۔ قبائلی سردار اپنے بیٹوں اور رشتہ داروں کو عبید اللہ کے حوالے کرنے لگے اور خواتین و بچوں کے ذریعے بھی لوگوں پر نفسیاتی دباؤ ڈالا گیا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ اہلِ کوفہ کے دلوں میں خوف بیٹھ گیا اور وہ حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دفاع سے پیچھے ہٹ گئے۔

یہ واقعہ اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ جب ابتداء ہی میں رعب اور دباؤ قائم کر دیا جائے تو معمولی سپاہی بھی بڑے لشکر پر اثر انداز ہو جاتے ہیں، اور یہی عبید اللہ بن زیاد کی حکمتِ عملی تھی جس نے مسلم بن عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہزاروں حمایتیوں کو بے بس کر دیا۔

(تاریخ الطبری، ج4، ص176؛ الکامل فی التاریخ، ج6، ص36؛ ابو مخنف، المقتل)

حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب کوفہ پہنچے تو ابتدا میں ان کے پاس تقریباً تیس جاں نثار ہی باقی رہ گئے تھے۔ عبید اللہ بن زیاد نے شہر میں مارشل لا نافذ کر دیا، ہر محلے اور گھر پر پہرے بٹھا دیے اور یہ حکم جاری کر دیا کہ جو بھی مسلم بن عقیل کی حمایت کرے گا اُسے گرفتار یا قتل کر دیا جائے گا۔

اس دباؤ کے ماحول میں حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک معمر خاتون کے گھر میں پناہ گزین ہوئے، لیکن عبید اللہ کے جاسوس محمد بن اشعث نے ان کا سراغ لگایا۔ خاتون کے بیٹے نے انعام کے لالچ اور خوف کی وجہ سے ان کا پتہ بتادیا۔

حضرت مسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تنہا میدان میں لایا گیا، جہاں ان کے مقابلے میں تقریباً ستر جاں باز ساتھی موجود تھے۔ انہوں نے بہادری سے مقابلہ کیا مگر تھکن کے باعث آخر کار کمزور پڑ گئے۔

حضرت مسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے محمد بن اشعث سے امان طلب کی، جس پر انہیں امان دے کر عبید اللہ بن زیاد کے دربار میں پیش کیا گیا۔ لیکن حسبِ روایت، عبید اللہ نے عہد شکنی کرتے ہوئے انہیں قتل کروادیا۔

اسی طرح ان کے میزبان اور جاں نثار ہانی بن عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی گرفتار کر کے شہید کر دیا گیا۔

بعد ازاں حضرت مسلم اور ہانی رضی اللہ عنہما کے سروں کو کاٹ کر یزید کے حکم کے تحت شام بھیجا گیا تاکہ عوام اور مخالفین پر رعب و دبدبہ قائم کیا جاسکے۔

یہ عمل اسلامی تعلیمات کے سراسر منافی تھا، کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لاشوں کی بے حرمتی اور مثلہ کرنے سے سختی کے ساتھ منع فرمایا تھا، مگر بنو امیہ نے اپنے اقتدار کی خاطر اس حرام اور قبیح عمل کو انجام دیا۔

(تاریخ الطبری، ج4، ص176؛ الکامل فی التاریخ، ج6، ص36؛ ابو مخنف، المقتل)

یزید بن معاویہ نے براہِ راست عبید اللہ بن زیاد کو حکم دیا کہ وہ کوفہ جا کر حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کو تلاش کرے اور اگر وہ ہاتھ لگیں تو انہیں قتل کر دے یا جلاوطن کر دے۔ امام طبری نے اس خط کو اپنی تاریخ میں محفوظ کیا ہے۔ (تاریخ الطبري، ج5، ص353–354؛

بعض طباعت میں: 4/ 176)۔ عبید اللہ بن زیاد نے حکم کے مطابق حضرت مسلم بن عقیل اور ان کے میزبان و جاں نثار ہانی بن عروہ رضی اللہ عنہما کو گرفتار کیا اور دونوں کو شہید کر دیا، پھر ان کے سر قلم کر کے دمشق یزید کے پاس بھیج دیے۔ (تاریخ الطبري، ج5، ص355–356؛

الکامل فی التاریخ لابن الأثیر، ج3، ص407)۔

ابن زیاد کے اس اقدام پر یزید نے نہ صرف خوشی کا اظہار کیا بلکہ خط لکھ کر اس کی عقلمندی اور بہادری کی تعریف کی اور کہا: "تو نے وہی کیا جو میں چاہتا تھا، تُو نے عقلمندی اور شجاعت سے کام لیا۔" (الکامل فی التاریخ لابن الأثیر، ج3، ص407؛ بعض طباعت میں: 6/ 36)۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت مسلم بن عقیل اور ہانی بن عروہ رضی اللہ عنہما کی شہادت میں یزید کی براہِ راست رضامندی اور منظوری شامل تھی، اور اس نے اس ظلم پر اپنے گورنر کی تحسین بھی کی۔

یزید بن معاویہ نے براہِ راست عبید اللہ بن زیاد کو خط لکھا اور حکم دیا کہ حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کو پوری کوشش کے ساتھ تلاش کرے، یہاں تک کہ وہ مل جائیں، اور پھر اگر ملیں تو یا تو انہیں قتل کر دے یا شہر سے جلاوطن کر دے۔ (تاریخ الطبري، ج5، ص353–354، ط دار التراث؛ بعض طباعت: ج4، ص176)۔

ابن زیاد نے حکم کے مطابق حضرت مسلم بن عقیل اور ان کے میزبان ہانی بن عروہ رضی اللہ عنہما کو شہید کر دیا اور ان کے سروں کو کاٹ کر دمشق یزید کے پاس بھیج دیا۔ (تاریخ الطبري، ج5، ص355)۔

اس کے بعد یزید نے عبید اللہ بن زیاد کو خط لکھ کر شکریہ ادا کیا اور اس کی تعریف کرتے ہوئے کہا: "تم نے اچھا کیا، درست رائے اختیار کی، اور جو تم پر ذمہ داری تھی وہ ادا کر دی۔" (الکامل فی التاریخ لابن الأثیر، ج3، ص407؛ بعض طباعت: ج6، ص36)۔

یزید کے بے خبر ہونے کے دعوے کا رد

یہ دعویٰ کہ یزید مسلم بن عقیل اور ہانی بن عروہ کی شہادت سے بے خبر تھا، تاریخی روایات کی روشنی میں باطل ثابت ہوتا ہے۔

سب سے پہلے تاریخ طبری میں صاف الفاظ موجود ہیں کہ یزید نے عبید اللہ بن زیاد کو خط لکھا:

"مسلم بن عقیل کو اس طرح تلاش کرو جیسے کوئی اپنی انگوٹھی تلاش کرتا ہے، یہاں تک کہ وہ مل جائے۔ پھر اگر ملے تو اسے قتل کر دو یا شہر سے نکال دو۔"

تاریخ الطبري، ج5، ص353–354

یہ روایت براہِ راست یزید کے حکم کو ظاہر کرتی ہے۔ اگر یزید کو خبر ہی نہ تھی تو یہ خط کس نے لکھا؟

پھر جب مسلم بن عقیل اور ہانی بن عروہ شہید کیے گئے تو عبید اللہ بن زیاد نے دونوں کے سروں کو دمشق روانہ کیا:

"ثم بعث ابن زیاد برأسي مسلم وهاني إلى يزيد."

تاریخ الطبري، ج5، ص355

یہ عمل اس حقیقت کو ظاہر کرتا ہے کہ گورنر براہِ راست خلیفہ کو جواب دہ تھا۔ اگر یزید کو خبر نہ ہوتی تو سر بھیجنے کی ضرورت ہی نہ تھی۔

مزید بر آں، ابن الاثیر نقل کرتے ہیں کہ یزید نے ابن زیاد کے اس عمل پر اس کا شکریہ ادا کیا اور تعریف کی:

"فکتب یزید إلی عبید اللہ... یشکرہ علی ذلک."

الکامل في التاریخ، ج 3، ص 407

یہ خط یزید کی براہِ راست رضامندی اور تحسین کو واضح کرتا ہے۔ اگر وہ بے خبر ہوتا تو شکر کیوں کرتا؟

یہاں ایک اہم نکتہ یہ بھی ہے کہ بعض حضرات جیسے کفایت اللہ سنابلی وغیرہ، حدیثی اصولوں کو زبردستی تاریخی روایات پر فٹ کرتے ہیں اور یزید کے خلاف روایات کو ضعیف قرار دے کر رد کر دیتے ہیں۔

لیکن جب یزید کے دفاع میں کوئی روایت یا قول مل جائے تو اسی سندی چھان بین کو بھول جاتے ہیں۔ یہ رویہ علمی دیانت نہیں بلکہ واضح تعصب ہے۔

تاریخی تسلسل بھی اسی بات کی گواہی دیتا ہے کہ یزید براہِ راست شریک تھا۔ اگر وہ اس معاملے سے الگ ہوتا تو:

کیا ابن زیاد اپنی مرضی سے اتنا بڑا اقدام کر سکتا تھا؟

کیا کوفہ کا گورنر یزید کی اجازت کے بغیر بدلا جا سکتا تھا؟

کیا گورنر اتنے بڑے فیصلے پر خلیفہ کو اطلاع دیے بغیر کام مکمل کرتا؟

یہ تمام شواہد بتاتے ہیں کہ یزید نے نہ صرف حکم دیا بلکہ سر بھی وصول کیے اور شکریہ بھی ادا کیا۔

اصولی نکتہ یہ ہے کہ اہلِ سنت والجماعت کے نزدیک "قتل کا حکم دینا" اور "قاتل کی تعریف کرنا" دونوں جرم میں شراکت کے مترادف ہیں۔ یزید نے دونوں کام کیے، اس لیے وہ براہِ راست شریکِ جرم ہے۔

نتیجہ یہ ہے کہ یزید کو "بے خبر" کہنا تاریخ کے متواتر شواہد کو جھٹلانے کے مترادف ہے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ یزید نہ صرف باخبر تھا بلکہ براہِ راست شریک اور راضی بھی تھا۔

مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کے لیے کوفہ کی صورتحال انتہائی خطرناک ہو گئی تھی، کیونکہ یزید کے حکم پر عبید اللہ بن زیاد کو وہاں کا گورنر مقرر کیا گیا تھا اور اس نے کوفہ کے تمام راستوں، محلات اور انتظامی مراکز پر مکمل قبضہ جما لیا تھا۔ اس نے نہ صرف مسلم بن عقیل کو دھوکے اور چالاکی سے اپنی گرفت میں لینے کی کوشش کی بلکہ ان کے حمایتیوں کو ڈرا دھمکا کر خوفزدہ کرنے کی پالیسی بھی اختیار کی۔

تاریخ طبری، ج4، ص176؛ الکامل فی التاریخ، ابن اثیر، ج6، ص36

انہی دنوں ایک شخص معقل نامی، جو بظاہر اہل بیت کا محب ظاہر کرتا تھا، بھیس بدل کر مسلم بن عقیل کے پاس آیا اور اپنی وفاداری کا یقین دلایا۔

لیکن حقیقت میں وہ عبید اللہ بن زیاد کا کارندہ تھا۔ اس نے ابن زیاد کو یہ خبر پہنچائی کہ ہانی بن عروہ بھی مسلم بن عقیل کے ساتھ ہیں اور عوام بڑی تعداد میں ان کی حمایت کر رہے ہیں۔ اس اطلاع کے نتیجے میں ابن زیاد نے ہانی بن عروہ کو گرفتار کر لیا۔

تاریخ طبری، ج4، ص176-177؛ الکامل فی التاریخ، ج6، ص36

ہانی کی گرفتاری کی خبر جب کوفہ کے عوام تک پہنچی تو لوگ جوش و خروش کے ساتھ مسلم بن عقیل کی حمایت میں نکل آئے۔ اس موقع پر تقریباً چار ہزار افراد مسلم بن عقیل کے ساتھ کھڑے تھے۔

یہ وہ لمحہ تھا جب مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ نے انتہائی جرات اور بہادری کا مظاہرہ کیا۔ انہوں نے خطرناک حالات کے باوجود ہمت نہ ہاری بلکہ عوام کی حمایت سے عبید اللہ بن زیاد کے مقابلے میں ڈٹ جانے کا فیصلہ کیا۔

اگر وہ بزدلی کا مظاہرہ کرتے یا فوراً سرنڈر کر دیتے تو شاید یہ عوامی حمایت کبھی سامنے نہ آتی۔ ان کی اس دلیرانہ حکمتِ عملی نے ایک وقت کے لیے کوفہ کے لوگوں کو حوصلہ اور قوت فراہم کی۔

تاریخ طبری، ج4، ص177؛ الکامل فی التاریخ، ج6، ص37

ہانی بن عروہ، جو کوفہ کے ایک نمایاں سردار اور اہل بیت کے وفادار ساتھی تھے، حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کے ساتھ کھڑے تھے۔

عبید اللہ بن زیاد نے نہ صرف انہیں گرفتار کر لیا بلکہ سخت قید میں ڈال کر یہ واضح پیغام دیا کہ اس کی طاقت کو کوئی بھی نظر انداز نہیں کر سکتا۔ اس گرفتاری نے مسلم بن عقیل کے حامیوں کے دلوں میں خوف پیدا کیا۔

تاریخ طبری، ج4، ص177؛ الکامل فی التاریخ، ج6، ص37

اس کے بعد عبید اللہ بن زیاد نے پورے کوفہ کو اپنی فوجی گرفت میں لے لیا۔ اہم راستوں، گلیوں اور محلات پر فوجی تعینات کر دیے گئے تاکہ حضرت مسلم بن عقیل تک کسی قسم کی مدد نہ پہنچ سکے۔ اگرچہ اس وقت آپ کے گرد تقریباً چار ہزار وفادار موجود تھے، لیکن عبید اللہ کی منظم حکمتِ عملی اور سخت خوف و دہشت نے لوگوں کو منتشر کر دیا، یہاں تک کہ مسلم بن عقیل تنہا رہ گئے۔

تاریخ طبری، ج4، ص177–178؛ الکامل فی التاریخ، ج6، ص37

آخر کار عبید اللہ بن زیاد نے مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ اور ہانی بن عروہ کو شہید کروا دیا اور ان کے سروں کو دمشق یزید کے دربار میں روانہ کیا۔

اس وحشیانہ اقدام پر یزید نے ابن زیاد کو خط لکھ کر اس کا شکریہ ادا کیا اور تعریف کی، جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہ سب کارروائیاں یزید کے حکم یا کم از کم اس کی منظوری کے تحت انجام دی گئیں۔

تاریخ طبری، ج4، ص178؛ الکامل فی التاریخ، ج6، ص38

اس کے بعد عبید اللہ بن زیاد نے کوفہ میں اپنی طاقت کا بھرپور مظاہرہ کیا۔ ہر محلے کے سردار کو اپنے تابع کر کے انتظامی کنٹرول حاصل کیا، مسلم بن عقیل کے حمایتیوں کو ڈرا دھمکا کر خاموش کرا دیا، اور یزید کی بیعت کو زبردستی نافذ کرنے کی کوشش کی۔

اس طرح کوفہ میں ایک ایسا ماحول قائم کر دیا گیا جس میں خوف اور دباؤ کے سائے ہر طرف پھیل گئے۔

تاریخ طبری، ج4، ص178؛ الکامل فی التاریخ، ج6، ص38

حضرت حسین رضی اللہ عنہ جب مکہ مکرمہ سے نکل کر راستے میں تھے تو انہیں یہ المناک خبر ملی کہ مسلم بن عقیل شہید کر دیے گئے ہیں اور اہلِ کوفہ اب شدید خوف اور دباؤ کے باعث آپ کے ساتھ کھڑے ہونے کے قابل نہیں رہے۔

یہ خبر آپ تک قافلے کے ذریعے پہنچی، اور یہی اطلاع آپ کے کربلا کے سفر میں ایک نازک موڑ ثابت ہوئی، کیونکہ اب آپ کو علم ہو گیا تھا کہ کوفہ کی صورتحال وہ نہیں رہی جو اہلِ کوفہ کے خطوط میں بیان کی گئی تھی۔

امام حسین رضی اللہ عنہ کو مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کی شہادت کی اطلاع ملنے کے باوجود آپؓ نے صبر و استقامت کا مظاہرہ فرمایا اور کبھی مکہ واپس لوٹنے کا ارادہ نہیں کیا۔

تاریخ طبری میں واضح ہے کہ جب آپؓ کو یہ خبر پہنچی تو فرمایا:

"إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ◉ رَحِمَ اللَّهُ مُسْلِمًا◉ فَقَدْ مَضَى إِلَى رَوْحِ اللَّهِ وَرَيْحَانِهِ◉ وَقَدْ قَضَى مَا عَلَيْهِ◉ وَبَقِيَ مَا عَلَيْنَا◉"

تاریخ الطبري، ج5، ص391

اسی طرح امام بلاذری بھی نقل کرتے ہیں:

"إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ◉ يَرْحَمُ اللَّهُ مُسْلِمًا◉ فَقَدْ مَضَى وَقَضَى مَا عَلَيْهِ◉ وَبَقِيَ مَا عَلَيْنَا◉"

انساب الأشراف، ج3، ص169

دینوری کے مطابق بھی فرمایا گیا:

"رحم الله مسلماً◉ فلقد قضى ما عليه◉ وبقى ما علينا◉"

الاخبار الطوال، ص256

ابن اثیر لکھتے ہیں:

"إنا لله وإنا إليه راجعون◉ رحم الله مسلماً◉ قد مضى إلى رضوان الله◉ وقد أدى ما عليه◉ وبقى ما علينا◉"

الکامل فی التاریخ، ج3، ص280

خلاصہ یہ کہ امام حسینؓ نے مسلم بن عقیل کی شہادت پر صبر کیا اور اپنے مقصد سے کبھی پیچھے نہیں ہٹے۔ آپؓ نے نہ صرف اپنے وفاداروں کی رہنمائی جاری رکھی بلکہ واضح فرمایا کہ جو شخص جا سکتا ہے، چلا جائے،

مگر خود آپؓ نے اپنے حق اور یزید کے ظلم کے خلاف قیام کے لیے ثابت قدمی اختیار کی۔ اس لیے حضرت امام حسینؓ کے مکہ واپس جانے کا دعویٰ سراسر بے بنیاد اور جھوٹا ہے اور یہ تاریخی منابع کے واضح شواہد کے خلاف ہے۔

امام حسینؓ کا کوفے کی طرف جانا دراصل ایک منظم شہری نافرمانی (civil disobedience) کی مہم تھا، نہ کہ ابتداء میں مسلح بغاوت۔

آپؑ نے اپنے ساتھ عورتیں، بچے اور بوڑھے رکھے تاکہ واضح پیغام دیا جا سکے: ہم جنگ کے لیے نہیں نکلے، ہم اس بات کی علامت ہیں کہ یہ بیعت جبری طور پر نافذ نہیں کی جا سکتی۔

امامؑ کا مقصد یہ بتانا تھا کہ اگر کسی کو دل سے اختیار ہو تو وہ بیعت کرے، مگر جبری طور پر تلوار کے زور پر کسی پر بیعت تھوپی جائے تو یہ اسلام کی روح کے خلاف ہے۔ اسی لیے آپؑ نے اپنی آمد کو عوامی اور غیر جارحانہ انداز میں رکھا، تاکہ دیر یا سویر جب ظلم کی حقیقت آشکار ہو گی تو امت کو فیصلہ کرنے میں آسانی رہے۔ (حوالہ: الطبری؛ البدایہ والنہایہ)

جب اہلِ مکہ اور مدینہ کے معمر و نیک لوگوں نے امامؑ کو روکنے کی کوشش کی تو آپؑ نے صراحت سے کہا کہ میرا یہ سفر اطلاع و امتحان ہے: اگر یہاں ظلم ہوا تو تم خود دیکھ لو کہ یہ ظالم کس حد تک جا سکتے ہیں۔

آپؑ نے جان بوجھ کر اہلِ بیت کو ساتھ رکھا تاکہ معاملہ محض سیاسی جھگڑا نہ رہ جائے بلکہ ایک اخلاقی اور اجتماعی امتحان بن کر سامنے آئے۔ اگر ظالموں نے بچوں اور عورتوں پر بھی تشدد کیا تو پھر عوام کے سامنے واضح ثبوت آ جائے گا کہ یہ حکومت شرعی و اخلاقی بنیادوں پر نااہل ہے۔ (حوالہ: البدایہ والنہایہ؛ الکامل)

یہی حکمتِ عملی بعد ازاں تاریخ میں اپنا اثر دکھانے لگی: کربلا کی شہادت نے امت کے دلوں کو جھنجھوڑا اور کئی جگہوں پر بیداری کی لہر دوڑا دی۔

امامؑ کا پیغام واضح تھا—دین

صرف منبر و مسجد تک محدود نہیں؛ جب حکمران اللہ و رسول کے احکام ترک کریں تو امت کو حق کا دفاع کرنا لازم ہے، خواہ اس کے لیے کس قدر قربانی کیوں نہ دینی پڑے۔ (حوالہ: الطبری؛ ابن اثیر)

حوالہ جات

1. الطبری، تاریخ الامم والملوک—باب مقتل الحسین واخبار خطوطِ کوفہ۔

2. ابن کثیر، البدایہ والنہایہ—فصل خروج الحسین والاسباب۔

3. ابن اثیر، الکامل فی التاریخ—ذکر واقعات کربلا ونتائج۔

4. ابن سعد، الطبقات الکبریٰ—سیرت واحوال اصحاب اور واقعاتِ کربلا۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اس سفر کو شعوری و نظریاتی حیثیت دیا تھا: آپؓ جانتے تھے کہ یا تو لوگ خود کھڑے ہو کر حق کا پاس کریں گے یا پھر مظلومیت کی بدولت سچائی آشکار ہو جائے گی۔

اس لیے آپؓ نے اہلِ خانہ کو ساتھ رکھا تاکہ معاملہ محض سیاسی لڑائی کے بجائے ایک اخلاقی امتحان بن کر سامنے آئے؛ اگر ظالم عورتوں، بچوں اور نواسۂ رسول ﷺ کے اہلِ خانہ تک تشدد کریں گے تو امت کے سامنے حقیقت بے پردہ ہو جائے گی۔

اسی نیت کے تحت آپؓ نے قدم بڑھائے—یہ سلسلہ خود قربانی اور بیداری کا پیغام تھا، نہ کہ ابتدائی طور پر مسلح بغاوت۔

(حوالہ: الطبری؛ البدایہ والنہایہ)

راستے میں کوفہ کی فضا کے متعلق خبریں ملتی رہیں۔ کچھ اہلِ قلم و شاعر کوفہ کے اندر پھیلے خوف و دباؤ اور ابن زیاد کی کارروائیوں کی علامتیں پہنچانے لگے؛

جلد ہی مسلم بن عقیلؓ کی شہادت کی خبر بھی پہنچی، اور بعض مخلص معاونین کی ہلاکت کی اطلاعات آئیں، مثلاً عبداللہ بن بختر وغیرہ۔ ان واقعات کے باوجود حسینؓ نے سفر روکنے یا پیچھے ہٹنے کا انتخاب نہیں کیا بلکہ حق کے امتحان کو جاری رکھا۔

(حوالہ: الطبری، ج4؛ الکامل، ابن اثیر)

یہاں ایک نکتہ واضح رہنا چاہیے: امامؑ نے اپنے آپ کو اور اہلِ بیت کو بیعۃِ جبری کے خلاف ایک زندہ دلیل بنایا— اگر لوگ وعدوں کے باوجود ظلم کے سامنے کھڑے نہ رہیں تو یہ ان کی کمزوری ہے، مگر جب ظالم ریاست نے خاندان نبوت کو بھی نشانہ بنایا تو عوام کو فیصلہ کرنے کے لیے واضح قرینہ مل گیا۔ اسی امتحان و روشنی کی بدولت بعد ازاں امت میں بیداری اور منظم ردعمل نے جنم لیا۔

(حوالہ: البدایہ والنہایہ؛ الطبری)

عبیداللہ بن زیاد کی ظالمانہ حکمتِ عمل — دباؤ، اغوا، سازش اور بعض معتمد افراد کو ہٹانا — نے کوفہ کے وعدوں کو عملی وفاداری میں بدلنے نہیں دیا۔

مسلم بن عقیلؓ کی شہادت،

کچھ معاونین کی ہلاکت اور ابن زیاد کے اقدامات نے وہ خوف پیدا کیا جس نے کوفیوں کے سابقہ زبانی جوش کو تحلیل کر دیا۔ بہر حال، امام حسینؓ نے ثابت قدمی اختیار کی اور مصلحتِ ذاتی یا وقتی امن کو اختیار نہ کیا؛ آپؑ کی یہ پالیسی بالآخر امت کے شعورِ تاریخی کا سبب بنی۔

(حوالہ: الطبری؛ البدایہ والنہایۃ؛ الکامل)

حوالہ جات

1. الطبری، تاریخ الامم والملوک (ماخذِ واقعات کربلا و کوفہ)۔

2. ابن کثیر، البدایہ والنہایہ (باب خروج الحسین و اخبار مسلم بن عقیل)۔

3. ابن اثیر، الکامل فی التاریخ (ذکر واقعاتِ کربلا اور نتائج)۔

4. ابن سعد، الطبقات الکبریٰ (سوانحِ اصحاب و احوالِ اہلبیت)۔

قافلہ موت کی طرف

مسیرِ کربلا کے دوران کبھی کبھار امام حسینؓ ایک مختصر نیند کی جھپکی بھی لیتے تھے۔ ایک بار اسی طرح سو کر بیدار ہوتے ہی آپ نے فوراً بلند آواز میں کہا: « اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ » —

یہ منظر آپ کے پاس بیٹھے ایک بیٹے کے سامنے بھی پیش آیا۔ جب بیٹے نے وجہ پوچھی تو آپؓ نے اپنے خواب کا ذکر کیا:

آپؓ نے دیکھا کہ ایک سوار گزرا اور بولا کہ یہ قافلہ موت کی طرف جا رہا ہے؛ اسی نشاندہی پر آپؓ نے بیٹے سے پوچھا کہ تم کیا سمجھتے ہو کہ ہم حق پر ہیں یا نہیں؟ اور پھر بخدمتِ حق و انصاف اپنی رضا سے اس کڑوی تعبیر کو قبول فرمایا۔

اس دوران آپؑ نے اپنے بیٹے کو اسماعیل علیہ السّلام کے جذبے کی یاد دلائی—جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے بیٹے کے ساتھ امتحان برداشت کیا—اور اپنے عزم ویقین کو واضح رکھا کہ اگر ہم حق پر ہیں تو موت شہادت سے بھی شیرین ہے۔ بیٹے نے بھی امامؑ کے یقین کو تسلیم کیا اور شہادت کو تسکینِ دل سمجھا۔

(حوالہ: الطبری، تاریخ الامم والملوک؛ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ؛ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ)

یزید نے عبید اللہ بن زیاد کو خط بھیجا کہ حسینؓ کوفہ کی طرف روانہ ہو چکے ہیں، کسی بھی حال میں انہیں کوفہ میں داخل نہ ہونے دیا جائے۔ اگر وہ زبردستی انٹری کی کوشش کریں تو قتل کر دیا جائے۔

اس حکم کے تحت ابن زیاد نے کوفہ کے تمام راستوں پر پہرے بٹھا دیے تا کہ امام حسینؓ کا قافلہ کسی طرف سے بھی داخل نہ ہو سکے۔

ابن زیاد نے امام حسین کو خط لکھا کہ:

قد بلغني نزولك كربلاء، وقد كتب إلي أمير المؤمنين يزيد: أن لا أتوسد الوثير، ولا أشبع من الخمير، أو ألحقك باللطيف الخبير، أو تنزل على حكمي، وحكم يزيد، والسلام.

مجھے خبر ملی ہے کہ تم کربلاء میں پہنچ گئے ہو اور یزید نے مجھے کہا ہے کہ بستر پر آرام سے نہ سوؤں اور پیٹ بھر کر کھانا نہ کھاؤں مگر یہ کہ یا تم کو خدا کے پاس روانہ کر دوں یا تم کو یزید کی بیعت کرنے پر راضی کروں۔ والسلام

اصل ماخذات

یہ خط ابن زیاد نے امام حسینؓ کو بھیجا تھا اور اس کا متن مختلف کتبِ تاریخ میں درج ہے:

1. تاریخ طبری (ج5، ص403–404، دار التراث)

2. الکامل فی التاریخ ابن اثیر (ج3، ص283)

3. البدایہ والنہایہ ابن کثیر (ج8، ص179)

ان سب میں یہ مفہوم تقریباً یکساں الفاظ کے ساتھ موجود ہے کہ یزید نے ابن زیاد کو لکھا تھا:

حسینؓ کو بیعت پر مجبور کرو۔

اگر وہ بیعت نہ کریں تو قتل کر کے ان کا سر بھیج دو۔

روایت کی صحت

یہ روایت حدیثی سند کے ساتھ مرفوع روایت نہیں ہے، بلکہ تاریخی خبر ہے۔

طبری اور ابن اثیر نے اسے سند کے ساتھ نقل کیا ہے۔ ان کے اسناد میں حدیثی اصول کے حساب سے جو کہ درست نہیں ہیں کیونکہ یہ تاریخی روایت ہے بعض راوی ضعیف یا مجہول ہیں، لیکن چونکہ یہ واقعہ متواتر المعنی ہے (یعنی متعدد طرق اور کتابوں میں یہی مضمون آیا ہے) اس لیے اہلِ علم نے اسے معتبر قرار دیا ہے۔

امام ابن کثیر (البدایہ والنہایہ، ج8، ص179) نے صاف لکھا ہے کہ:

> یزید نے ابن زیاد کو حکم بھیجا کہ حسینؓ کو بیعت پر مجبور کرے، ورنہ ان کا سر کاٹ کر میرے پاس بھیجے۔

نتیجہ

یہ خط اور اس کا مفہوم تاریخی طور پر ثابت ہے، اگرچہ روایتِ حدیث کے معیار پر اسے "صحیح" یا "ضعیف" کہنا درست نہیں، کیونکہ یہ تاریخی خبر ہے۔

اہلِ تاریخ اور اہلِ سنت کے مؤرخین سب اس بات پر متفق ہیں کہ:

یزید نے ابن زیاد کو خط بھیجا۔

اس خط میں حسینؓ کو بیعت پر مجبور کرنے یا قتل کرنے کا حکم تھا۔

ابن زیاد نے مسافر بن شریح یشکری کو لکھا کہ:

أما قتلي الحسین، فإنه أشار علي یزید بقتله أو قتلي، فاخترت قتله.

میں نے حسین کو اس لیے قتل کیا ہے کہ مجھے حسین کے قتل کرنے یا خود مجھے قتل ہونے کے درمیان اختیار دیا گیا تھا اور میں نے ان دونوں میں سے حسین کو قتل کرنے کو انتخاب کیا۔ الکامل في التاریخ، ج 3، ص 324. لابن اثیر

۔

اصل عبارت (عربی)

«أما قتلي الحسين، فإنه أشار عليّ يزيد بقتله أو قتلي، فاخترت قتله.»

(الکامل في التاریخ، ابن اثیر، ج3، ص324)

اردو ترجمہ (ادبی، پڑھنے کے لائق)

"جہاں تک حسین کے قتل کا تعلق ہے تو یزید نے مجھے کہا تھا: یا تو تمہیں قتل کیا جائے یا حسین کو مارا جائے۔ میں نے دونوں میں سے یہ اختیار پا کر حسین کو مارنے کا انتخاب کیا۔"

تشریح و تاریخی تناظر (مختصر)

1. **ماخذ:** یہ جملہ ابن اثیر نے اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے۔ ابن اثیر عموماً طبری اور دیگر اِسنادی تاریخی کتب سے کلمات و خطوط نقل کرتے ہیں، اس لیے ایسی عبارتیں اکثر مآخذِ تاریخی سلسلہ سے ماخوذ ہوتی ہیں۔ حوالہ: الکامل فی التاریخ، ج 3، ص 324۔

2. **معنی:** عبارت ایک براہِ راست اعتراف کی صورت میں ہے کہ ابن زیاد نے اپنی ذاتی رائے یا اطاعت کے تحت انتخاب کیا کہ حسینؓ کو قتل کیا جائے — یعنی وہ اسے اپنی خود مختاری یا یزید کے دباؤ کا نتیجہ ظاہر کر رہا ہے۔

3. اہم نکتہ برائے تحقیق:

تاریخی مصادر میں بعض اوقات یہی مفہوم متفرق الفاظ میں ملتا ہے — کبھی خالدۃ الفاظ (براہِ راست اعتراف)، تو کبھی روایتی خلاصہ یا مکالماتی انداز۔

اس طرح کے جملے مقتل نگاروں اور مورخین (طبری، ابن کثیر، ابن اثیر وغیرہ) میں مختلف شکلوں میں درج ملے ہیں۔ لہٰذا محقق کو چاہئیے کہ اصل حوالہ (نسخہ و صفحہ) ساتھ رکھ کر متن کی لغوی درستگی و سلسلہِ اسناد پر غور کرے۔

4. اعتبار:

اس جملے کا وجود اس بات کی تاریخی دلیل ہے کہ ابن زیاد کو یا تو یزید کی منظوری حاصل تھی یا وہ (بطور حکمرانِ محلی) اس معاملے میں مکمل طور پر فعال رہا۔

مگر کسی بھی ایک جملے کو اکیلے 'واحد ثبوت' سمجھنے کے بجائے پورے سیاق و سباق — دستاویزی خطوط، متعدد مورخین کی موافقت، اور دیگر متعلقہ روایات — کے ساتھ دیکھنا علمی طریقۂ کار ہے۔

اقتباس برائے حوالہ

ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج 3، ص 324: « أما قتلي الحسين ... فاخترت قتله. »

ابن زیاد کا اعتراف "أما قتلي الحسين ..." — یہ الکامل فی التاریخ (ابن اثیر، ج 3، ص 324) میں موجود ہے۔

اس کا مطلب صاف یہ نکلتا ہے کہ ابن زیاد نے خود مانا کہ یزید نے اسے دو ہی آپشن دیے تھے:

1. یا حسینؑ کو قتل کرے،

2. یا خود اپنی جان گنوائے۔

اور اس نے دنیاوی حکومت بچانے کے لیے امام حسینؑ کے قتل کو اختیار کیا۔

یہ روایت نہ صرف یزید کے ذمہ داری کو واضح کرتی ہے بلکہ یہ بھی بتاتی ہے کہ امام حسینؑ کا قتل صرف ابن زیاد کا ذاتی اقدام نہیں تھا بلکہ یزید کے براہِ راست حکم پر ہوا۔

➤ حوالہ: ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج 3، ص 324۔

علامہ جلال الدین سیوطی نے بھی لکھا ہے کہ:

فکتب یزید إلی والیہ بالعراق، عبید اللہ بن زیاد بقتالہ. یزید نے عبید اللہ بن زیاد کہ جو والی عراق تھا اس کو امام حسین کے ساتھ جنگ کرنے کا حکم دیا۔ تاریخ الخلفاء، ص 193، چاپ دار الفکر سال 1394ھ۔ بیروت.

> فكتب يزيد إلى واليه بالعراق◉ عبيد الله بن زياد بقتاله.

"یزید نے اپنے والیِ عراق، عبید اللہ بن زیاد کو امام حسینؓ سے قتال کرنے کا حکم دیا۔"

(تاریخ الخلفاء، ص 193، دارالفکر، بیروت، 1394ھ)

یہ عبارت اس بات کو مزید واضح کرتی ہے کہ:

امام حسینؓ کے خلاف جنگ محض ابن زیاد کی "ذاتی کارروائی" نہیں تھی۔

بلکہ یہ براہِ راست یزید کے حکم پر ہوئی، جیسا کہ سیوطیؒ نے تصریح کی ہے۔

حوالہ:

جلال الدین سیوطی، تاریخ الخلفاء، ص 193، دارالفکر، بیروت، 1394ھ۔

خود امام ذہبیؒ جیسے مؤرخ نے یزید کے کردار کو واضح طور پر بیان کیا ہے۔

امام ذہبی (748ھ)

تاریخ الإسلام میں لکھتے ہیں:

>خرج الحسين إلى الكوفة، فكتب يزيد إلى واليه بالعراق عبيد الله بن زياد: إن حسينا صائر إلى الكوفة، وقد ابتلي به زمانك من بين الأزمان، وبلدك من بين البلدان، وأنت من بين العمال، وعندها تعتق أو تعود عبدا. فقتله ابن زياد وبعث برأسه إليه.

ترجمہ:

"امام حسینؓ جب کوفہ کی طرف نکلے تو یزید نے اپنے والی عراق عبید اللہ بن زیاد کو لکھا:

حسین کوفہ کی طرف آرہے ہیں اور وہ دوسرے شہروں کی بجائے تمہارے شہر کو آئے ہیں۔ اب یہ تمہارے زمانے اور تمہارے شہر کی آزمائش ہے۔ تم ہی اس معاملے میں جواب دہ ہو۔ یہاں فیصلہ ہے کہ یا تو تم آزاد رہ کر زندگی گزاروگے یا غلام بن کر۔ اس پر ابن زیاد نے حسینؓ کو قتل کیا اور ان کا سر یزید کے پاس بھیج دیا۔"

حوالہ:

امام ذہبی، تاریخ الإسلام، ج5، ص10، دار الکتاب العربی، پہلی ایڈیشن، تحقیق: د. عمر عبد السلام تدمری۔

امام ذہبی، سیر أعلام النبلاء، ج3، ص305، مؤسسة الرسالة، بیروت، 9ویں ایڈیشن، تحقیق: شعیب ارناؤوط، محمد نعیم العرقسوسی۔

امام ابن عساکر (571ھ)

اسی مضمون کو ابن عساکر نے بھی تاریخ دمشق میں ذکر کیا ہے:

>(تاریخ دمشق، ج14، ص213، وحاشیہ بغیۃ الطالب، ج6، رقم2614)

نتیجہ:

امام ذہبی اور ابن عساکر جیسے بڑے مورخین بھی واضح طور پر بتاتے ہیں کہ یزید نے براہِ راست ابن زیاد کو خط لکھ کر امام حسینؓ کے خلاف اقدام کا حکم دیا۔

>"ہم نے یزید کے خطوط، ابن زیاد کے اعترافات اور متعدد مؤرخین (طبری، ابن اثیر، ابن عساکر، ذہبی، سیوطی وغیرہ) کی شہادتیں پیش کی ہیں کہ احکام براہِ راست یزید کی طرف سے جاری ہوئے۔

اس کے باوجود کفایت اللہ سنابلی ان سب کو رد کر کے یزید کو بری کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ طرزِ فکر تحقیق نہیں بلکہ اموی وکالت اور ناصبیت کی علامت ہے۔"

یزید کے خطوط اور احکام کی ٹائم لائن

مرحلہ	ماخذ / مؤرخ	متن / خلاصہ حکم	نتیجہ / اثر
1	ابن اثیر، الکامل فی التاریخ ج3، ص324	ابن زیاد نے اقرار کیا: "یزید نے مجھے حسین کے قتل یا میری موت میں اختیار دیا، میں نے حسین کے قتل کو چنا۔"	براہِ راست یزید کا حکم اور دباؤ واضح۔
2	سیوطی، تاریخ الخلفاء ص193	"یزید نے اپنے والی عراق ابن زیاد کو امام حسین کے ساتھ جنگ کرنے کا حکم دیا۔"	یزید کا واضح تحریری حکم۔

3 امام ذہبی، تاریخ الاسلام ج5 ص10 / سیر اعلام النبلاء ج3 ص305 "یزید نے ابن زیاد کو لکھا: حسین تمہارے شہر آرہے ہیں، اب تم غلام بن کر جینا چاہتے ہو یا آزاد؟" قتلِ حسین کو وفاداری کی کسوٹی بنایا گیا۔

4 ابن عساکر، تاریخ دمشق ج14، ص213 / بغیۃ الطالب ج6، رقم2614 یہی مضمون نقل ہوا کہ حسین کا معاملہ تمہارے سپرد ہے، وفاداری کا امتحان ہے۔ متعدد کتب میں تواتر سے ذکر۔

5 طبری، تاریخ طبری (متعدد مقامات) یزید کے خطوط کا ذکر جن میں حسین کو بیعت پر مجبور کرنے یا قتل کرنے کا مطالبہ تھا۔ اصل تاریخی ماخذ میں درج۔

یہ تمام شہادتیں ثابت کرتی ہیں کہ:

احکام یزید ہی کی طرف سے جاری ہوئے۔

ابن زیاد اور عمر بن سعد محض عملی کارندے تھے۔

عمر بن سعد کا کردار — اقتدار کی لالچ اور کربلا کی جانب روانگی

جب عبید اللہ بن زیاد کو خبر ملی کہ امام حسینؓ عراق کی طرف روانہ ہو رہے ہیں، تو اس نے عمر بن سعد بن ابی وقاص کو بلایا، جو اس وقت رے اور دستبی (ایران کا علاقہ) کی گورنری کے لیے تیار بیٹھا تھا اور چار ہزار سپاہیوں کے ہمراہ وہاں کی دیلمی شورش دبانے کے لیے روانگی کے قریب تھا۔

مگر ابن زیاد نے اسے حکم دیا کہ وہ پہلے حسین بن علیؓ کے قافلے کو روکنے کے لیے کربلا کا رخ کرے۔

ابتداءً عمر بن سعد نے یہ حکم ماننے سے انکار کیا، کیونکہ وہ حسینؓ جیسے نواسۂ رسول ﷺ سے جنگ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ مگر عبید اللہ بن زیاد نے اقتدار کی لالچ اور دھمکی دونوں استعمال کیں —

اس نے کہا کہ اگر تم نے حسین کا مقابلہ نہ کیا تو رے کی حکومت کا فرمان واپس لے لیا جائے گا۔ اقتدار کی تمنا اور دنیاوی لالچ نے آخرکار عمر بن سعد کو جھکا دیا، اور اس نے ظاہری فرمانبرداری کا اظہار کرتے ہوئے اپنے لشکر سمیت کربلا کی جانب کوچ کیا۔

بلاذری روایت کرتے ہیں:

"ابن زیاد نے عمر بن سعد کو حسین کے مقابلے کے لیے بھیجا، حالانکہ وہ رے کی طرف روانہ ہونے والا تھا۔ اس نے انکار کیا، مگر ابن زیاد نے کہا:

اگر حسین کے خلاف نہ گیا تو رے کی حکومت تم سے چھین لی جائے گی۔ آخرکار اس نے سرِ تسلیم خم کیا اور چار ہزار لشکر کے ساتھ کربلا روانہ ہوا۔"

(الأنساب الأشراف، بلاذری، ج3، ص176–177)

یہ واقعہ تاریخ کے صفحات میں ایک المیہ اخلاقی مثال کے طور پر درج ہے—جہاں اقتدار کی لالچ نے ایمان کے فیصلے کو مات دے دی۔ عمر بن سعد جانتا تھا کہ وہ نواسۂ رسول ﷺ کے خلاف جا رہا ہے، مگر دنیاوی عہدہ اور گورنری کی خواہش نے اس کی بصیرت سلب کر لی۔

چنانچہ امام ابن اثیر نے لکھا:

"عمر بن سعد کو معلوم تھا کہ حسینؓ کے خلاف تلوار اٹھانا ہلاکت ہے، مگر دنیا نے اس پر غلبہ پا لیا۔"

(الکامل فی التاریخ، ابن اثیر، ج 3، ص 282)

یوں کربلا کی جنگ صرف ظلم و حق کا معرکہ نہیں تھی، بلکہ ایمان و دنیا کا بھی تصادم تھی—جہاں ابن زیاد نے ظلم کا حکم دیا، عمر بن سعد نے اقتدار کے لیے اطاعت کی، اور حسینؓ نے حق کے لیے قربانی دی۔

مختلف مؤرخین (طبری، ابن اثیر، ذہبی، سیوطی، ابن عساکر وغیرہ) نے متفقہ طور پر یہ بات نقل کی ہے۔

عمر بن سعد کی ندامت—اقتدار کی قیمت پر ایمان کا سودا

جب عبید اللہ بن زیاد کے سامنے عمر بن سعد حاضر ہوا تو ابن زیاد نے اس سے وہ خط واپس مانگا جو اس نے حسین بن علیؓ کے خلاف روانگی کے لیے بطورِ حکم جاری کیا تھا۔ عمر بن سعد نے بہانہ کرتے ہوئے کہا کہ وہ خط جل گیا ہے اور اب موجود نہیں۔ اس پر ابن زیاد نے غصے سے کہا:

"میں وہ خط تم سے ضرور واپس لوں گا، چاہے تم کچھ بھی کہو!"

یہ گفتگو محض دو گورنری اہلکاروں کا مکالمہ نہیں تھی بلکہ دنیا و آخرت کے دو راستوں کا تصادم تھا۔

عمر بن سعد نے وقتی دنیا کے لیے حسینؓ کے خلاف تلوار اٹھائی، مگر جب انجام قریب آیا تو ندامت اور خود ملامتی نے اس پر غالب آنا شروع کیا۔

اسی لمحے اس نے اپنی شکستہ حالت کو ان تاریخی الفاظ میں بیان کیا:

"کوئی بھی مجھ سے بدتر حالت میں اپنے گھر واپس نہیں لوٹا، کیونکہ میں ایک فاجر اور ظالم امیر کی اطاعت کر چکا ہوں، عدل کو پامال کر دیا ہے، اور اپنے قرابت کے رشتوں کو کاٹ ڈالا ہے۔"

(تاریخ الطبری، ابن جریر الطبری، ج5، ص467)

یہ الفاظ عمر بن سعد کی روحانی تباہی اور اخلاقی شکست کا اعتراف ہیں—وہ جان چکا تھا کہ اس نے حسینؓ جیسے پاکیزہ امام کے خون میں اپنے ہاتھ رنگ کر اپنی آخرت تباہ کر لی۔

اسی ندامت کے بارے میں ابن اثیر نے بھی لکھا:

"عمر بن سعد اپنے انجام کے خوف میں مبتلا رہتا تھا، یہاں تک کہ اس نے خود کہا کہ اگر تمام دنیا بھی مجھے مل جائے تب بھی میں حسینؓ کے قتل کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔"

(الکامل فی التاریخ، ابن اثیر، ج3، ص289)

یوں تاریخ نے ثابت کر دیا کہ جو شخص ظلم کے نظام کے ساتھ سمجھوتہ کرتا ہے، وہ وقتی طور پر کامیاب سہی، مگر انجامِ کار دل کی دنیا اجڑ جاتی ہے۔ عمر بن سعد کے یہ الفاظ ہمیشہ کے لیے یادگار ہیں—اقتدار کے بدلے ایمان بیچنے والے ہر انسان کے لیے آئینہ۔

جب قافلہ قریب پہنچا تو ابن زیاد نے حر بن یزید تمیمی کو ایک ہزار سپاہیوں کے ساتھ بھیجا کہ حسینؓ کو روک دے اور ایسی جگہ اترنے پر مجبور کرے جہاں نہ سایہ ہو اور نہ پانی۔

یہ واقعہ یکم یا دو محرم کا بتایا جاتا ہے۔ حر اپنے لشکر کے ساتھ آیا تو امام حسینؓ نے اپنے ساتھیوں سے کہا: "یہ لوگ دھوپ میں آرہے ہیں، ان کو پانی پلاؤ اور ان کے گھوڑوں کو بھی سیراب کرو۔" پھر باہمی گفتگو ہوئی۔ حر نے بتایا کہ وہ عبید اللہ بن زیاد کا حکم لے کر آیا ہے۔

حسینؓ نے فرمایا: "تمہارے خطوط اور قاصدوں کے ذریعے تو مجھے کوفہ بلایا گیا تھا، اب تم ڈر سے پلٹ گئے؟" اس پر حر نے خاموشی اختیار کی۔

نماز کا وقت آیا تو امام حسینؓ نے حر اور اس کے لشکر کو بھی جماعت میں شریک ہونے کی دعوت دی۔ انہوں نے کہا: "ہم آپ کے پیچھے نماز پڑھیں گے، کیونکہ آپ کی نیکی پر کوئی شک نہیں۔

" چنانچہ امام حسینؓ نے امامت فرمائی اور دونوں لشکر ایک ساتھ نماز ادا کیے۔ اس کے بعد حر نے صاف کہہ دیا کہ ابن زیاد کا حکم ہے کہ آپؓ کو کوفہ نہیں جانے دیا جائے گا۔

امام حسینؓ نے فرمایا: "اگر تم کوفہ نہیں جانے دیتے تو کم از کم مجھے کسی اور مقام پر ٹھہرنے دو۔" لیکن حر کو سخت تاکید تھی کہ ایسی جگہ ہی قافلہ رکے جہاں نہ سایہ ہو نہ پانی۔ چنانچہ لشکر حرکت کرتا ہوا کربلا کے مقام پر جا رکا، جہاں پانی فرات سے دس کلومیٹر دور تھا اور سایہ بھی میسر نہ تھا۔

وہاں امام حسینؓ نے پوچھا: "اس جگہ کا کیا نام ہے؟" لوگوں نے جواب دیا: "یہ کربلا ہے۔" آپؓ نے فرمایا: "یہی وہ مقام ہے جس کا وعدہ میرے نانا نے کیا تھا۔ یہی ہماری منزل ہے۔"

(الطبری، تاریخ الامم والملوک؛ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ؛ بلاذری، انساب الاشراف)

کفایت اللہ سنابلی کی باطل تاویلات اور ان کا رد

کفایت اللہ سنابلی یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ یزید ایک نیک، نمازی اور صالح شخص تھا اور اس پر لگنے والے الزامات بے بنیاد ہیں۔ لیکن یہ بات تاریخی حقائق اور ائمہ کے اقوال کے سراسر خلاف ہے۔

امام ابن کثیر (البدایہ والنہایہ، ج8، ص233) صاف لکھتے ہیں کہ یزید شراب نوشی، گانے بجانے اور فسق و فجور میں مبتلا تھا۔

امام ذہبی (سیر اعلام النبلاء، ج4، ص37) کا بیان ہے: "یزید پر فسق کا غلبہ تھا اور وہ دین میں کمزور تھا"۔

اسی طرح حافظ ابن حجر ہیثمی (الصواعق المحرقہ، ص196) بھی یہی بات ذکر کرتے ہیں۔ لہٰذا یزید کو نیک و صالح کہنا تاریخ و ائمہ کے اجماعی اقوال کی خلاف ورزی ہے۔

اسی طرح سنابلی یہ بھی کہتے ہیں کہ امام حسینؓ کے قتل کا حکم یزید نے نہیں دیا بلکہ ابن زیاد نے اپنی طرف سے یہ کام کیا۔ لیکن معتبر تاریخی مصادر اس دعوے کو رد کرتے ہیں۔

امام طبری (تاریخ الطبری، ج5، ص337) نے صراحت کی ہے کہ یزید نے ابن زیاد کو خط لکھا کہ حسینؓ کو کوفہ میں داخل نہ ہونے دینا اور اگر وہ نہ مانیں تو انہیں قتل کر دینا۔

ابن اثیر (الکامل فی التاریخ، ج3، ص407) نے بھی یہی بات نقل کی ہے۔ مسعودی (مروج الذہب، ج3، ص67) میں بھی واضح ہے کہ یزید نے ابن زیاد کو حکم دیا کہ حسینؓ کو روک دو اور اگر انکار کریں تو انہیں قتل کر ڈالو۔

یہ سب بنیادی تاریخی مصادر ہیں جن پر مؤرخین کا اعتماد ہے۔ ان روایات کو جھٹلانا اور یہ کہنا کہ یزید معصوم تھا، نہ صرف علمی دیانت کے خلاف ہے بلکہ تاریخ کو مسخ کرنے کی ناپاک کوشش بھی ہے۔

ایک اور دعویٰ جو کفایت اللہ سنابلی پیش کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ یزید کے خلاف جو روایات موجود ہیں وہ "ضعیف" یا "منقطع" ہیں کیونکہ وہ اصولِ حدیث پر پوری نہیں اترتیں۔ لیکن یہ اصولی مغالطہ ہے۔ تاریخ اور حدیث کے اصول بالکل مختلف ہیں۔ اگر تاریخی واقعات کو محض حدیثی معیار پر پرکھا جائے تو پوری اسلامی تاریخ مشتبہ قرار پائے گی۔ فتوحاتِ شام و عراق، خلافتِ راشدہ کے سیاسی معاہدات، جنگیں اور بڑے بڑے تاریخی انقلابات — سب کو "ضعیف" کہنا پڑے گا۔ یہی وجہ ہے کہ ائمہ تاریخ جیسے امام طبری، ابن اثیر، ابن کثیر اور مسعودی نے امام حسینؓ کی شہادت اور یزید کے حکم کے بارے میں کثرتِ طرق اور اجماع کے ساتھ نقل کیا ہے۔ لہٰذا سنابلی کا یہ اصول حقیقت میں تاریخ کو مسخ کرنے کی ایک چال ہے۔

اسی طرح سنابلی یہ تاثر دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ چونکہ یزید نے ابن زیاد کو براہِ راست سزا نہیں دی، لہٰذا وہ معصوم ہے۔

مگر یہ دعویٰ بھی تاریخی شواہد کے منافی ہے۔ امام حسینؓ کی شہادت کے بعد یزید نے ابن زیاد کو معزول کرنے کے بجائے اس کی حمایت کی اور اسے بدستور اپنی گورنری پر برقرار رکھا۔ مزید یہ کہ یزید نے اہل بیتؓ کو گرفتار کر کے شام بلایا اور دربار میں ان کی بے ادبی و تذلیل کی (تاریخ طبری، ج 5، ص 459؛ بلاذری، انساب الاشراف، ج 3، ص 210)۔

اگر یزید بے قصور ہوتا تو سب سے پہلے ابن زیاد کو سزا دیتا اور اہل بیتؓ کی عزت و توقیر کرتا، مگر اس نے الٹا ان کے ساتھ ظلم اور گستاخی کی۔ یہی طرزِ عمل یزید کے جرم کو مزید سنگین ثابت کرتا ہے۔

دعویٰ: یزید پر لعن جائز نہیں

سنابلی یہ کہتے ہیں کہ چونکہ یزید مسلمان تھا اس لیے اس پر لعن جائز نہیں۔

ردّ:

امام احمد بن حنبل کے بیٹے عبد اللہ نے پوچھا: "کیا یزید پر لعنت کی جاسکتی ہے؟" تو انہوں نے جواب دیا: "کیا کوئی شخص اس پر لعنت نہ کرے جس نے حسینؓ کو قتل کیا یا اس کے قتل پر راضی ہوا؟"

(السنۃ للخلال، ج2، ص434)

امام سبکی (طبقات الشافعیۃ، ج2، ص39) نے کہا:

"ائمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ جو حسینؓ کے قتل پر راضی ہو یا اس میں شریک ہو، اس پر لعنت جائز ہے۔"

امام جلال الدین سیوطی (تاریخ الخلفاء، ص209) لکھتے ہیں:

"یزید نے امام حسینؓ کو قتل کرایا اور اہل مدینہ کو حلال کیا، اور خانہ کعبہ پر منجنیق چلوائی۔ اس پر لعنت کرنا جائز ہے۔"

پس یزید پر لعن کے جواز پر ائمہ کی تصریحات موجود ہیں۔ لہٰذا یہ کہنا کہ "یزید پر لعن جائز نہیں" دراصل تاریخی اور دینی حقیقت کو چھپانے کی کوشش ہے۔

کفایت اللہ سنابلی کی کتاب دراصل ایک "سفیدی پاؤڈر" ہے جس کے ذریعے یزید کے دامن پر لگے خون کے دھبے مٹانے کی ناکام کوشش کی گئی ہے۔ مگر متواتر تاریخی نصوص، ائمہ مؤرخین و محدثین کے اقوال، اور یزید کے عملی کردار سب اس بات پر متفق ہیں کہ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اہل بیتؓ کی شہادت کا اصل ذمہ دار یزید ہی ہے۔ امام حسینؓ کا مطالبہ صرف یہ تھا کہ انہیں کوفہ میں داخل ہونے دیا جائے تاکہ وہ اہل کوفہ کی صورتِ حال کو خود دیکھ سکیں اور اپنے لائحہ عمل کا فیصلہ کریں، مگر ابن زیاد نے شرط رکھی کہ حسینؓ اس کے ہاتھ پر بیعت کریں ورنہ داخلہ ممکن نہیں۔

حضرت حسینؓ نے صاف الفاظ میں فرمایا: "میں نہ ابن زیاد کو مانتا ہوں اور نہ یزید کو، کیونکہ خلافت کا انتخاب شوریٰ کے اصول کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ میں اپنے اہل و عیال کے ساتھ آیا ہوں، جنگ کے لیے نہیں۔" (تاریخ طبری، ج5، ص357؛ البدایہ والنہایہ، ابن کثیر، ج8، ص169)۔

چنانچہ ابن زیاد کے حکم پر حسینؓ کا قافلہ دو محرم الحرام کو کربلا میں روک دیا گیا۔ اس موقع پر حر بن یزید تمیمی، جو اہل بیتؓ کے چاہنے والے تھے مگر ابن زیاد کے خوف سے مجبور ہو گئے، حسینؓ کو کربلا میں روکنے پر آمادہ ہوئے۔ (الکامل فی التاریخ، ابن اثیر، ج3، ص410)۔

یہ سب حقائق اس امر کا ناقابلِ انکار ثبوت ہیں کہ یزید کا جرم محض سیاسی یا انتظامی نہیں بلکہ براہِ راست خونِ نواسۂ رسول ﷺ میں لتھڑا ہوا ہے۔

ابن زیاد نے کربلا کے معاملے کو سنگین دیکھ کر عمر بن سعد بن ابی وقاص کو چار ہزار کے لشکر کے ساتھ بھیجا (تاریخ طبری، ج5، ص359)۔

ابتدا میں عمر بن سعد نے انکار کیا اور کہا: "میں رسول اللہ ﷺ کے نواسے سے جنگ نہیں کر سکتا۔" لیکن جب ابن زیاد نے دھمکی دی کہ اگر حکم نہ مانا تو "رے" کی گورنری چھین لی جائے گی، تو دنیا کی محبت اس پر غالب آگئی اور وہ لشکر لے کر امام حسینؓ کے مقابل آگیا (البدایہ والنہایہ، ابن کثیر، ج8، ص170؛ طبری، ج5، ص360)۔

یہی وہ دنیا پرستی کا فتنہ تھا جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا: "مجھے تم پر شرک کا خوف نہیں ہے، لیکن مجھے ڈر ہے کہ دنیا تم پر کشادہ ہو جائے گی اور تم اس میں ایک دوسرے سے مقابلہ کرو گے، پھر یہ تمہیں ہلاک کر دے گی جیسا کہ پہلی امتوں کو ہلاک کر دیا۔" (صحیح بخاری، حدیث:1344؛ صحیح مسلم، حدیث: 2961)۔

اس کے برعکس حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمام تر دباؤ کے باوجود استقامت کے ساتھ اپنے موقف پر قائم رہتے ہوئے فرمایا: "ظالم کے سامنے حق بات کہنے کا وقت آگیا ہے۔ ہم بیس برس سے دین کی بربادی دیکھ رہے تھے، اگر اب بھی نہ اٹھے تو اللہ کے ہاں اور اپنے نانا ﷺ کے سامنے منہ نہ دکھا سکیں گے۔" (الفتوح، ابن اعثم کوفی، ج5، ص107؛ طبری، ج5، ص361)۔

تین اور چار محرم کے دن دونوں لشکروں کے درمیان مذاکرات جاری رہے، مگر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے اصولی موقف سے ایک قدم بھی پیچھے نہ ہٹے۔

سات محرم کو ابن زیاد کا سخت حکم آیا کہ حسینؓ اور ان کے قافلے پر پانی بند کر دیا جائے، چنانچہ دریائے فرات جو دس سے پندرہ کلومیٹر کے فاصلے پر تھا، وہاں تک رسائی روک دی گئی۔ حضرت عباس بن علیؓ نے کوشش کر کے کچھ پانی لایے، لیکن ان کے بعد راستہ پوری طرح بند کر دیا گیا (تاریخ طبری، ج5، ص362؛ البدایہ والنہایہ، ابن کثیر، ج8، ص171)۔

ادھر عمر بن سعد اپنی رشتہ داری اور اہل بیتؓ کی عظمت کی وجہ سے جنگ میں تاخیر کر رہا تھا، یہ دیکھ کر ابن زیاد نے شمر بن ذی الجوشن کو ایک خط کے ساتھ کربلا بھیجا جس میں حکم تھا: "اگر عمر بن سعد جنگ میں تساہل کرے تو فوراً کمان تم سنبھال لو، اور پانچ ہزار کا لشکر تمہارے ساتھ ہے۔" (الکامل فی التاریخ، ابن اثیر، ج3، ص412؛ طبری، ج5، ص363)۔

پھر نویں محرم الحرام کو عمر بن سعد نے حسینؓ کو آخری الٹی میٹم دیا کہ یا تو یزید کی بیعت کریں یا جنگ کے لیے تیار ہو جائیں۔ اس موقع پر حضرت حسینؓ نے ایک دن کی مہلت مانگی تاکہ وہ اور ان کے ساتھی رات بھر عبادت کریں اور اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کریں (طبری، ج5، ص364؛ ابن اعثم کوفی، الفتوح، ج5، ص109)۔

عاشورا کی رات حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ساتھیوں کو خطاب کیا اور چراغ بجھا دیا تاکہ جو شخص جانا چاہے وہ بغیر کسی شرم کے واپس جا سکے۔ آپؓ نے فرمایا: "کل ہمیں شہید ہونا ہے، جو جانا چاہے وہ اندھیرے میں چلا جائے، میں نہ دنیا میں ملامت کروں گا نہ آخرت میں۔" لیکن جب چراغ دوبارہ روشن کیا گیا تو سب موجود

تھے، کوئی بھی حسینؓ کو چھوڑ کر نہ گیا، اور یہ حق پر ہونے کی سب سے بڑی دلیل تھی (البدایہ والنہایہ، ابن کثیر، ج8، ص172؛ تاریخ طبری، ج5، ص365)۔

یومِ عاشورہ کی صبح حضرت حسینؓ اور ان کے جانثاروں نے نمازِ فجر ادا کی، پھر آپؓ نے ایک پر اثر خطبہ دیا جس میں اپنا نسب، رسول اللہ ﷺ سے قرابت اور اسلام کے حق کو بیان کیا، مگر کوفی دنیاوی مفاد اور خوف کی وجہ سے حق قبول نہ کر سکے (تاریخ طبری، ج5، ص365؛ البدایہ والنہایہ، ج8، ص173)۔

اس کے بعد دونوں لشکر میدان میں صف آراء ہوئے۔ اسی موقع پر حر بن یزید ریاحی، جو شروع میں حسینؓ کا راستہ روکنے پر مامور تھا، توبہ کرتے ہوئے حسینؓ کے خیمے میں آیا اور عرض کیا:

"کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ میں نے آپ کا راستہ روکا، آپ پر سختی کی، یہ میری خطا ہے۔" حضرت حسینؓ نے فرمایا: "حر! تم دنیا میں بھی آزاد ہو اور آخرت میں بھی آزاد ہو۔" (الکامل فی التاریخ، ابن اثیر، ج3، ص416؛ البدایہ والنہایہ، ج8، ص174)۔

یوں حرؓ توبہ کر کے حسینؓ کے لشکر میں شامل ہوئے اور شہید ہونے والے پہلے جانثاروں میں گنے گئے۔ اس منظر نے واضح کر دیا کہ حسینؓ کا قافلہ ہی حق پر ہے، کیونکہ اہل بیتؓ میں سے کوئی دشمن کی طرف نہ گیا، البتہ دشمن کے لشکر سے کئی دل حسینؓ کے ساتھ آ ملے (تاریخ طبری، ج5، ص366)۔

یک بہ یک مقابلے سے اجتماعی جنگ تک

ابتدا میں جنگ یک بہ یک (ون ٹو ون) کے انداز میں ہوئی، جس میں اہلِ بیتؑ اور ان کے جانثاروں نے غیر معمولی شجاعت دکھائی۔ لیکن جب دشمن فوج کو اندازہ ہوا کہ اس طریقے سے تو وہ مکمل طور پر ختم ہو جائیں گے تو اجتماعی حملے کا فیصلہ کیا گیا۔ پھر تیروں کی بارش شروع ہوئی۔

ادھر سے اہلِ بیتؑ کے چند افراد نکلتے تھے جبکہ ادھر سے ہزاروں کا لشکر تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک ایک کر کے حسینؑ کے جانثار جامِ شہادت نوش کرتے گئے۔

(تاریخ طبری، ج5، ص427؛ البدایہ والنہایہ، ج8، ص176)

اہلِ بیتؑ کی شہادتیں

صبح سے لڑائی جاری رہی۔ اہلِ بیتؑ کے اٹھارہ جوانوں نے ایک کے بعد ایک جان قربان کی۔ پھر حضرت عباسؑ اور ان کے تین بھائی عبداللہ، جعفر اور عثمان میدان میں اترے اور سب نے شہادت کا رتبہ پایا۔ اس کے بعد حضرت حسینؑ تنہا رہ گئے۔ دشمنوں کی بے رحمی یہ تھی کہ تین دن کے پیاسے بچوں کو بھی پانی نہ دیا گیا۔ حسینؑ بار بار کہتے رہے:

> "ہمارا جھگڑا تم سے ہے، ان معصوم بچوں کو تو پانی پینے دو۔"

لیکن دشمن نے بچوں کو بھی پانی سے محروم رکھا۔

(مقتل ابی مخنف، ص213؛ الکامل لابن اثیر، ج3، ص422)

امام حسینؑ کی پیاس اور استقامت

شدید پیاس اور زخموں سے نڈھال حسینؓ فرات کی طرف بڑھے لیکن دشمن نے وہاں بھی پانی نہ پینے دیا۔ آپؓ نے واپسی کی اور ڈٹے رہے۔ آخر کار جب دشمنوں کی ہمت جواب دے گئی تو شمر نے اشارہ دیا کہ "جلدی ختم کرو"۔ پھر ایک بدبخت نے تلوار چلائی اور حسینؓ شہید ہو گئے۔

(طبری، ج5، ص450؛ البدایہ والنہایہ، ج8، ص179)

شہداء کی بے حرمتی

کربلا میں کل 72 نفوس قدسیہ شہید ہوئے۔ ان میں اہلِ بیتؓ کے تقریباً 18 افراد اور باقی جانثار شامل تھے۔ شہادت کے بعد ان پاکیزہ لاشوں کو گھوڑوں سے روندا گیا۔ حسینؓ کا سر مبارک کاٹ کر ابن زیاد کے دربار میں پیش کیا گیا۔ ابن زیاد نے گستاخی کرتے ہوئے آپؓ کے لب ورخسار پر چھڑی ماری اور ان کے حسن وجمال کا مذاق اڑایا۔ یہ منظر دیکھ کر انس بن مالکؓ اور دیگر صحابہؓ سخت تڑپ اٹھے۔

(صحیح ترمذی، حدیث:3775؛ البدایہ والنہایہ، ج8، ص180)

کربلا کا پیغام

یوں حق کے 72 پروانے شہید ہو گئے، لیکن کربلا رہتی دنیا تک یہ پیغام چھوڑ گئی کہ ظالم کے مقابلے میں ڈٹ جانا اور حق پر قربانی دینا ہی اصل کامیابی ہے۔

ابن زیاد کی گستاخی اور صحابہ کی غیرت

جب حضرت حسینؓ کا سر مبارک کوفہ میں ابن زیاد کے دربار میں لایا گیا تو اس نے بے ادبی کرتے ہوئے چھڑی سے آپؓ کے لب ور خسار پر مارنا شروع کیا اور کہنے لگا: "کتنا خوبصورت چہرہ ہے!" یہ منظر دیکھ کر صحابیِ رسول انس بن مالکؓ اور زید بن ارقمؓ سخت تڑپ اٹھے۔ زیدؓ بن ارقم نے کہا:

> "خدا کی قسم! میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ یہ چہرہ رسول اللہ ﷺ سے سب سے زیادہ مشابہ تھا، اور تم اس کے ساتھ یہ بدتمیزی کر رہے ہو!"

(البدایہ والنہایہ، ج8، ص190؛ تاریخ طبری، ج5، ص455)

ابن زیاد نے گستاخی سے جواب دیا: "بوڑھے! اگر تم پاگل نہ ہو گئے ہوتے تو تمہیں بھی قتل کر دیتا۔" یہ رویہ اس بات کی دلیل ہے کہ سب سے بڑی بے ادبی اور گستاخی اہل بیتؓ کے ساتھ بنی امیہ ہی نے کی۔

اہلِ بیتؓ کی خواتین کی اسیری

شہادت کے بعد اہل بیت کی خواتین کے خیموں کو جلایا گیا اور اہلِ حرم کو اسیری میں لے لیا گیا۔ حضرت علی بن حسینؓ (زین العابدین)، جو بیماری کی وجہ سے جنگ میں شریک نہ ہو سکے تھے، اسی وجہ سے بچا لیے گئے۔ قافلہ اسیرانِ کربلا کو کوفہ سے شام بھیج دیا گیا۔ یہ سفر ذلت اور اذیت کے ساتھ طے کرایا گیا، تاکہ اہل بیتؓ کو رسوا کیا جا سکے۔

(مقتل ابی مخنف، ص250؛ الکامل لابن اثیر، ج3، ص430)

یزید کا منافقانہ رویہ

جب یہ قافلہ شام پہنچا تو یزید نے بظاہر رونا دھونا شروع کر دیا اور سارا الزام عبید اللہ بن زیاد پر ڈالنے لگا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ سب کچھ اسی کے حکم پر ہوا تھا۔ اس کا رونا منافقت پر مبنی تھا، جیسے قرآن کریم میں یوسف علیہ السلام کے بھائی جھوٹی رونا دھونا کر کے آئے تھے۔

(البدایہ والنہایہ، ج8، ص191؛ طبری، ج5، ص458)

بنو امیہ اور بنو ہاشم کی پرانی دشمنی

یزید کے رویے سے یہ واضح ہو گیا کہ کربلا کا سانحہ دراصل "بدر کا بدلہ" تھا۔ بنو امیہ اور بنو ہاشم کی پرانی دشمنی کربلا میں اپنے عروج پر پہنچی۔

یزید بار بار اہل بیتؑ کو ذلیل کرنے کے لیے اپنے باپ دادا کو ان سے افضل ثابت کرنے کی کوشش کرتا رہا، حالانکہ حقیقت یہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ نے پہلے ہی خبر دے دی تھی کہ میری امت کی تباہی ایک خاندان کے ہاتھوں ہو گی۔

(مسند احمد، حدیث 27200؛ صحیح ترمذی، حدیث 2192)

حضرت علیؓ کی پیشین گوئی

حضرت علیؓ نے بھی اس سانحہ کی پیشین گوئی کی تھی۔ تابعی عبد اللہ بن نجی روایت کرتے ہیں کہ ان کے والد امیر المؤمنین علیؓ کے ساتھ ہمیشہ رہتے تھے۔ جب حضرت علیؓ صفین کے لیے نکلے اور فرات کے کنارے نینوا (کربلا) کے مقام پر پہنچے تو اچانک فرمایا:

> "ابو عبد اللہ! صبر کرو، یہی وہ جگہ ہے جہاں حسین اور اس کے ساتھی شہید کیے جائیں گے۔"

(مسند احمد، حدیث 648؛ المعجم الکبیر للطبرانی، ج 3، ص 111)

قافلۂ اسیران کا کوفہ میں داخلہ

کربلا کے بعد اہلِ بیتؑ کی خواتین اور حضرت زین العابدینؑ کو اسیری میں کوفہ لے جایا گیا۔ ابن زیاد کے دربار میں جب قافلہ پہنچا تو حضرت زینبؑ بنت علی اور حضرت ام کلثومؑ نے خطبات دیے جنہوں نے کوفہ کے لوگوں کے ضمیر کو جھنجھوڑ ڈالا۔ حضرت زینبؑ نے فرمایا:

> "اے کوفہ والو! تم نے ہمیں دھوکہ دیا، پھر قتل کیا۔ تمہارے آنسو اب رونے کے نہیں، اپنے آپ پر ماتم کرنے کے ہیں۔ تمہارا فریب کبھی نہیں بھولا یا جائے گا۔"

(الفتوح لابن اعثم، ج 5، ص 116؛ تاریخ طبری، ج 5، ص 460)

ابن زیاد کا دربار اور حضرت زینبؑ کا جراتمندانہ کلام

ابن زیاد نے دربار میں حضرت زینبؑ سے کہا: "دیکھا، اللہ نے تمہارے ساتھ کیا کیا!" حضرت زینبؑ نے جواب دیا:

> "میں نے کچھ نہیں دیکھا سوائے خیر کے۔ یہ لوگ اللہ کے راستے میں شہید ہوئے، اور کل قیامت کے دن تمہارا اور ہمارا فیصلہ اللہ کرے گا۔"

(البدایہ والنہایہ، ج 8، ص 193؛ مقتل ابی مخنف، ص 265)

شام کی طرف سفر

ابن زیاد نے اہلِ بیتؓ کا قافلہ یزید کے پاس شام بھیجنے کا حکم دیا۔ کوفہ سے دمشق تک کا سفر نہایت سخت اور ذلت آمیز تھا۔ قیدی عورتوں اور بچوں کو اونٹوں پر بغیر کجاوے کے بٹھایا گیا، اور راستے بھر ان کے ساتھ بدسلوکی کی گئی۔

(الکامل فی التاریخ، ج3، ص434؛ طبری، ج5، ص461)

یزید کے دربار میں خطبۂ زینبؓ

جب قافلہ دمشق پہنچا اور یزید کے دربار میں حاضر کیا گیا تو حضرت زینبؓ نے ایک ولولہ انگیز خطبہ دیا جس نے پورے دربار کو لرزا دیا۔ آپؓ نے فرمایا:

> "اے یزید! تو یہ سمجھتا ہے کہ ہمیں قتل کر کے عزت پا گیا؟ اللہ کی قسم! تو نے ہمارے خون سے اپنی عار دھوئی نہیں بلکہ اپنے لیے رسوائی اور عذاب خریدا ہے۔ تو جتنا چاہے مکر و فریب کر لے، لیکن یاد رکھ، اللہ کا نور کبھی بجھایا نہیں جا سکتا۔"

(بلاغات النساء، ص23؛ البدایہ والنہایہ، ج8، ص196)

حضرت زین العابدینؓ کا کلام

حضرت علی بن حسین زین العابدینؒ، جو اس وقت بیمار تھے، نے بھی یزید کے دربار میں تقریر کی۔ آپؓ نے فرمایا:

> "اے یزید! اگر تو جاننا چاہتا ہے کہ ہم کون ہیں تو سن، ہم وہ ہیں جنہیں اللہ نے اپنی کتاب میں پاک قرار دیا (سورہ احزاب: 33)، اور نبی ﷺ نے فرمایا تھا: 'حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں۔'"

(مسند احمد، حدیث 17145؛ صحیح ترمذی، حدیث 3775)

یزید کے دربار میں یہ خطبات سن کر لوگوں کے دل دہل گئے، کئی لوگ یزید پر لعنت بھیجنے لگے اور اہل بیتؑ کی مظلومیت پر رونے لگے۔

یوں کربلا کے بعد اہل بیتؑ کی اسیری، ان کے صبر و استقلال، اور ان کے جرات مندانہ خطبات نے دنیا پر یہ ثابت کر دیا کہ یزید باطل کا نمائندہ تھا اور حسینؑ اور اہل بیتؑ حق پر تھے۔ کربلا کی قربانی نے اسلام کو زندہ کر دیا اور امت کے سامنے ہمیشہ کے لیے ظالم و مظلوم کا فرق واضح کر دیا۔

یزید کی عملی زندگی ہی اس کے نفاق کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ وہ خلافت کا دعوے دار ضرور تھا لیکن قرآن و سنت کی تعلیمات کے خلاف اس کی عادات و اطوار مشہور تھیں۔

وہ شراب نوشی کرتا، گانے سنتا، بندر اور کتے پالتا اور فسق و فجور میں مبتلا رہتا تھا۔ امام ذہبی اس کی سیرت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "یزید شراب پیتا تھا، گانے سنتا اور فسق و فجور کرتا تھا" (سیر أعلام النبلاء، ج4، ص 37)۔

حتیٰ کہ امام ابن کثیر، جو عمومی طور پر اموی رجحان رکھتے تھے، وہ بھی اس حقیقت کو ماننے پر مجبور ہوئے اور لکھا کہ "یزید سے فسق و فجور صادر ہوا، اور اس کے زمانے میں اہلِ مدینہ اور اہلِ مکہ پر ظلم ڈھایا گیا" (البدایہ والنہایہ، ج 8، ص 223)۔

یہ حقیقت اس کے نفاق کو کھول کر رکھتی ہے کہ بظاہر وہ اسلام کا خلیفہ تھا لیکن عملی زندگی میں دین کے بنیادی احکام کو پامال کرتا رہا۔

اسی نفاق کا سب سے بڑا مظہر واقعۂ کربلا ہے۔ امام حسینؓ اور اہلِ بیتؓ کے قتل کا اصل ذمہ دار یزید ہی تھا۔ اگرچہ بعض مورخین اسے ابن زیاد کے کھاتے میں ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں، لیکن یہ بات ناقابلِ تردید ہے کہ ابن زیاد جیسا گورنر یزید کی اجازت اور رضامندی کے بغیر کوئی اقدام نہیں کر سکتا تھا۔

امام طبری نقل کرتے ہیں کہ جب حسینؓ کی شہادت کی خبر یزید تک پہنچی تو وہ خوش ہوا اور اس نے اشعار پڑھے جن میں اپنے بتوں کی فتح اور وحی کے انکار کا ذکر تھا:

"ہاشم نے حکومت کے ساتھ کوئی وحی نہیں لائی، یہ صرف ایک کھیل تھا جو کھیلا گیا" (تاریخ طبری، ج5، ص 465)۔

یہ الفاظ نہ صرف کفر پر دلالت کرتے ہیں بلکہ اس کے نفاق اور اہلِ بیت سے دشمنی کو بھی واضح کرتے ہیں۔

یزید کے دور کا ایک اور سیاہ باب واقعۂ حرّہ ہے۔ کربلا کے بعد اسی کے حکم پر مسلم بن عقبہ کو مدینہ منورہ پر حملے کے لیے بھیجا گیا۔

مورخین لکھتے ہیں کہ اہلِ مدینہ کو تین دن تک حلال قرار دیا گیا، ہزاروں افراد قتل کیے گئے، عورتوں کی عزتیں لوٹی گئیں اور مدینہ منورہ کی حرمت پامال کی گئی (تاریخ طبری، ج5، ص472؛ البدایہ والنہایہ، ج8، ص238)۔

یہ ظلم اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ یزید کے دل میں نہ دین کی پرواہ تھی اور نہ نبی ﷺ کے شہر کی حرمت کا کوئی مقام۔

اسی کے ساتھ ساتھ مکہ مکرمہ پر بھی حملہ کیا گیا۔ یزیدی لشکر نے حصین بن نمیر اور حجاج بن یوسف کی قیادت میں خانہ کعبہ پر منجنیق سے پتھر برسائے، یہاں تک کہ کعبہ کی عمارت کو نقصان پہنچا (الکامل فی التاریخ، ج4، ص46؛ البدایہ والنہایہ، ج8، ص244)۔

کیا ایک مسلمان خلیفہ کعبہ پر حملہ کر سکتا ہے؟ یہ فعل بھی یزید کے نفاق اور کفر کی علامت ہے۔

یہ تمام شواہد اس بات پر متفق ہیں کہ یزید کی حکومت دراصل خلافتِ راشدہ کے اصولوں سے انحراف اور ملوکیت کی بنیاد تھی۔ بنو امیہ نے خلافت کو ایک وراثتی سلطنت میں بدل دیا، جس کے متعلق نبی اکرم ﷺ نے پہلے ہی خبر دے دی تھی۔

روایت میں آتا ہے کہ "سب سے پہلے جو میری سنت کو بدلے گا وہ بنو امیہ کا ایک شخص ہو گا جس کا نام یزید ہو گا" (مسند احمد، حدیث 17905؛ البدایہ والنہایہ، ج6، ص256)۔

اس طرح یزید پہلا شخص تھا جس نے خلافت کو ملوکیت میں بدلا اور اسلام کے نام پر ظلم، فسق و فجور اور دین دشمنی کو رواج دیا۔

یزید کا کردار اور بنو امیہ کی سیاست اسلام کے سنہری اصولوں سے صریحاً متصادم تھی۔ اہلِ بیتؓ کا خون، مدینہ کی حرمت کی پامالی اور کعبہ پر حملہ ایسے سیاہ داغ ہیں جو قیامت تک یزید اور اس کے حامیوں کے نام کے ساتھ جُڑے رہیں گے۔

یہی وجہ ہے کہ جمہور اہلِ سنت اور اہلِ تشیع دونوں یزید کو فاسق، فاجر اور ظالم قرار دیتے ہیں۔ اہلِ سنت کے بڑے ائمہ نے بھی یزید کے کردار پر نہایت سخت رائے دی ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ سے جب یزید کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا:

"کیا کوئی شخص اللہ اور رسول اللہ ﷺ سے محبت رکھے اور یزید سے محبت کرے؟" (السیر للذھبی، ج4، ص 37)۔

ایک اور مقام پر ان سے جب یزید پر لعنت کے بارے میں سوال ہوا تو فرمایا: "اور کون لعنت کے زیادہ لائق ہے یزید سے؟" (الصواعق المحرقۃ، ابن حجر، ص 291)۔

اسی طرح امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ "یزید ایک فاسق شخص تھا، جس نے حسینؓ کو قتل کیا اور مدینہ کی حرمت پامال کی" (سیر اعلام النبلاء، ج4، ص37)۔

امام ابو حنیفہؒ بھی یزید کو فاسق و فاجر قرار دیتے تھے اور ان کا کہنا تھا کہ "یزید کی خلافت باطل ہے، وہ فسق و فجور میں مشغول رہا" (تاریخ ابن کثیر، ج8، ص 223)۔

امام غزالیؒ نے بھی سخت الفاظ میں کہا کہ "یزید پر لعنت نہ کرنا منافقت ہے اور اس کے فسق کا انکار جہالت ہے" (احیاء علوم الدین، ج2، ص 343)۔

اسی طرح امام فخر الدین رازیؒ یزید کو ظالم، فاسق اور منافق کہتے ہوئے بیان کرتے ہیں:

"یزید نے دین کو نقصان پہنچایا اور اہل بیتؓ پر ظلم کیا، اس کا شمار ائمہ جور میں ہے" (تفسیر کبیر، سورہ ابراہیم، آیت 42 کے تحت)۔

حافظ ابن حجر مکیؒ نے یزید کے بارے میں لکھا کہ "یزید فاسق، فاجر اور شراب نوش تھا، اہلِ بیتؓ کے خون کا ذمہ دار ہے" (الصواعق المحرقۃ، ص 291)۔

امام جلال الدین سیوطیؒ کا بھی یہی موقف ہے، وہ فرماتے ہیں: "یزید وہ ہے جس پر امت کا اجماع ہے کہ وہ فاسق اور فاجر تھا" (تاریخ الخلفاء، ص 209)۔

ان تمام اقوال سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ اہلِ سنت کے بڑے ائمہ کا اجماعی موقف یہی تھا کہ یزید فاسق و فاجر تھا، فسق و فجور میں ڈوبا رہا، اہلِ بیتؓ کے قتل اور دین کے بگاڑ کا ذمہ دار تھا اور اس پر لعنت کرنا جائز ہے۔
اس طرح یزید کی شخصیت پر اہلِ سنت کے اکابرین نے جو متفقہ رائے قائم کی، وہ تاریخ کے اوراق میں ہمیشہ کے لیے ثبت ہو چکی ہے۔

یزید کے دفاع میں بعض ناصبی اور آج کے دور میں کفایت اللہ سنابلی جیسے افراد تاویلات پیش کرتے ہیں کہ یزید نے امام حسینؓ کے قتل کا حکم نہیں دیا، وہ بظاہر نیک و پارسا تھا اور کربلا کی تمام ذمہ داری صرف ابن زیاد پر عائد ہوتی ہے۔

لیکن یہ تمام دلائل اہلِ سنت کی معتبر کتب اور تاریخی شواہد کے مقابلے میں باطل اور بے بنیاد ہیں۔ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ بعض لوگ یزید کو بری کرنے کے لیے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ امام حسینؓ کے قتل کی ذمہ داری محض ابن زیاد پر تھی، مگر تاریخِ طبری اور البدایہ والنہایہ جیسی معتبر کتب میں یہ بات صراحت کے ساتھ ملتی ہے کہ یزید نے ہی ابن زیاد کو حکم دیا تھا کہ حسینؓ سے زبردستی بیعت لی جائے اور اگر وہ انکار کریں تو انہیں قتل کر کے ان کا سر دمشق بھیجا جائے (تاریخ طبری، ج5، ص342؛ البدایہ والنہایہ، ج8، ص190)۔

اس سے یہ حقیقت آشکار ہو جاتی ہے کہ ابن زیاد یزید کے حکم اور مرضی کے بغیر ایسا اقدام کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔

اسی طرح کفایت اللہ سنابلی جیسے لوگ یہ کہہ کر یزید کو بچانے کی کوشش کرتے ہیں کہ وہ نیک اور پارسا شخص تھا، لیکن اہلِ سنت کے معتبر ائمہ نے اس کے فسق و فجور کو واضح کیا ہے۔

امام ذہبی، امام سیوطی اور حافظ ابن حجر مکی نے صاف لکھا ہے کہ یزید شراب نوش، فاسق و فاجر اور دین دشمن تھا۔ اس کے دورِ حکومت میں دو بڑے سانحات رونما ہوئے: واقعہ حرّہ اور خانہ کعبہ پر حملہ۔ واقعہ حرّہ میں یزید کے حکم پر مدینہ منورہ پر لشکر کشی کی گئی، ہزاروں صحابہ و تابعین کو قتل کیا گیا اور عورتوں کی عزتیں پامال کی گئیں (تاریخ ابن کثیر، ج8، ص242)۔

اسی طرح مکہ مکرمہ پر منجنیقوں سے حملہ کیا گیا، خانہ کعبہ کی عمارت کو نقصان پہنچایا گیا اور حجرِ اسود کے ٹکڑے ہو گئے (البدایہ والنہایہ، ج8، ص243)۔

کیا ایسا شخص دین دار اور نیک قرار دیا جا سکتا ہے؟ یقیناً نہیں۔

مزید بر آں، ناصبیوں کا یہ کہنا کہ یزید پر لعنت جائز نہیں، قرآن و سنت اور اہلِ سنت کے ائمہ کے اقوال کے خلاف ہے۔ امام احمد بن حنبل، امام مالک، امام غزالی، امام سیوطی اور حافظ ابن حجر مکی جیسے اکابر نے یزید پر لعنت کو جائز اور مستحق قرار دیا ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "أَلَا لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ" (ہود:18)، اور چونکہ یزید ظالمین میں سے تھا اس پر لعنت کرنا قرآن کی روشنی میں درست ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ کربلا محض ایک سیاسی معرکہ نہیں تھا بلکہ بنو امیہ اور بنو ہاشم کی پرانی دشمنی کا تسلسل تھا۔ بدر، احد اور خندق کی شکست کا بدلہ یزید اور اس کے باپ معاویہ نے اہلِ بیت سے لینے کی کوشش کی۔

خود یزید کے وہ اشعار اس کے کفر کو ظاہر کرتے ہیں جو امام طبری نے نقل کیے:

"لَعِبَتْ هَاشِمُ بِالْمُلْكِ فَلَا خَبَرٌ جَاءَ وَلَا وَحْيٌ نَزَلَ"

(ہاشم نے حکومت کا کھیل کھیلا، نہ کوئی خبر آئی نہ کوئی وحی نازل ہوئی) (تاریخ طبری، ج5، ص461)۔

یہ الفاظ نہ صرف رسول اللہ ﷺ کی رسالت کے انکار کے مترادف ہیں بلکہ یزید کے نفاق اور کفر کا کھلا اعلان ہیں۔

لہٰذا یہ دعویٰ کہ یزید نیک تھا یا کربلا کی ذمہ داری صرف ابن زیاد پر ہے، سراسر باطل اور تاریخی حقائق کے منافی ہے۔

یزید ہی امام حسینؓ کے قتل کا اصل مجرم، شراب نوش، فاسق وفاجر اور دین دشمن تھا۔ اس پر لعنت کرنا قرآن، سنت اور اہلِ سنت کے ائمہ کے اجماعی موقف کے عین مطابق ہے، جبکہ ناصبیوں کی یہ باطل تاویلات، بشمول کفایت اللہ سنابلی کی آراء، محض علمی بد دیانتی اور اموی سیاست کا دفاع ہیں جنہیں کبھی بھی اہلِ سنت نے تسلیم نہیں کیا۔

صحیح بخاری (حدیث نمبر 3748) میں یہ واقعہ مذکور ہے کہ جب امام حسینؓ کا سر مبارک کوفہ میں ابن زیاد کے سامنے لایا گیا اور ایک طشت میں رکھا گیا تو وہ بدبخت ایک چھڑی سے اس پر مارنے لگا۔ اس موقع پر جلیل القدر صحابی حضرت انس بن مالکؓ موجود تھے۔

انہوں نے یہ منظر دیکھ کر فرمایا کہ حسینؓ رسول اللہ ﷺ سے سب سے زیادہ مشابہ تھے۔ یہ روایت بخاری شریف میں موجود ہونے کی وجہ سے اپنی اعلیٰ سند کے ساتھ اس بات کی واضح گواہی ہے کہ ابن زیاد نے امام حسینؓ کے سر مبارک کی توہین کی تھی اور اس پر صحابہ کرام نے سخت رد عمل ظاہر کیا۔

یہی واقعہ دیگر کتب میں مزید وضاحت کے ساتھ ملتا ہے۔ مسند احمد، نسائی اور طبرانی وغیرہ میں روایت ہے کہ جب ابن زیاد چھڑی سے امام حسینؓ کے لبوں اور چہرے کو چھیڑ رہا تھا تو ایک اور جلیل القدر صحابی حضرت زید بن اَرقمؓ نے اس پر سخت احتجاج کیا۔

انہوں نے کہا: "اپنی چھڑی ان دونوں لبوں سے ہٹا لے، اللہ کی قسم! میں نے ان لبوں کو رسول اللہ ﷺ کے لبوں پر دیکھا ہے کہ وہ انہیں بوسہ دیتے تھے۔"

ابن زیاد نے غصے میں دھمکی دی کہ اگر تم خاموش نہ رہے تو میں تمہیں بھی قتل کرا دوں گا۔ اس پر زید بن اَرقمؓ نے انتہائی درد کے ساتھ کہا:

"اے ابن زیاد! تو ظالم ہے، میں نے کبھی یہ تصور بھی نہ کیا تھا کہ میں ایسی قوم میں زندہ رہوں گا جہاں رسول اللہ ﷺ کے نواسے کے ساتھ یہ سلوک کیا جائے۔"

یوں بخاری شریف میں حضرت انسؓ کا احتجاج اور دیگر کتب میں حضرت زید بن اَرقمؓ کا احتجاج، دونوں مل کر اس بات کی قطعی شہادت پیش کرتے ہیں کہ عبید اللہ بن زیاد نے امام حسینؓ کی اہانت کی اور صحابہ کرام نے اس ظلم کو برملا رد کیا۔

یہ واقعات نہ صرف تاریخی طور پر ثابت ہیں بلکہ حدیث کی معتبر کتب میں بھی اپنی جگہ رکھتے ہیں، جس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ ابن زیاد اور اس کے سرپرست یزید کی ذمہ داری کسی طرح چھپائی نہیں جا سکتی۔

کفایت اللہ سنابلی نے اپنی کتاب یزید بن معاویہ پر اعتراضات کا تحقیقی جائزہ (ص 376) میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ ابن زیاد نے امام حسینؓ کی خوبصورتی کی تعریف کی تھی۔ لیکن یہ دراصل وہی تاویلاتِ باطلہ ہیں جن کی بنیاد پر یزید اور اس کے کارندوں کے سنگین جرائم کو چھپانے کی کوشش کی جاتی ہے۔

حقیقت اس کے برعکس ہے۔ صحیح بخاری، صحیح مسلم، مسند احمد، سنن ترمذی، تاریخ طبری، ابن ابی عاصم اور ابن اثیر سمیت بے شمار مصادر میں ابن زیاد کے طرزِ عمل کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے کہ وہ چھڑی سے امام حسینؓ کے سرِ اقدس یا دانتوں کو چھیڑ رہا تھا،

ان کے چہرے یا بالوں پر طنزیہ تبصرے کر رہا تھا اور ان کے حسن کو تحقیر کے انداز میں بیان کر رہا تھا۔ اگر یہ تعریف ہوتی تو صحابہ کرامؓ جیسے جلیل القدر افراد اس پر احتجاج کیوں کرتے؟

حضرت انس بن مالکؓ نے اس موقع پر کہا کہ حسینؓ تو سب سے زیادہ رسول اللہ ﷺ سے مشابہ تھے (صحیح بخاری 3748)۔

اسی طرح حضرت زید بن اَرقمؓ نے ابن زیاد کو جھڑکتے ہوئے کہا:

"اپنی چھڑی ہٹا لے، میں نے ان لبوں کو رسول اللہ ﷺ کو بوسہ دیتے دیکھا ہے" (مسند احمد 19299، نسائی الکبریٰ 8464)۔

یہ دونوں صحابہ کرامؓ کا احتجاج اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ ابن زیاد کا عمل گستاخی اور اہانت کے زمرے میں تھا، نہ کہ تعریف کے۔

ائمہ محدثین نے بھی ان روایات کی صحت کی تصریح کی ہے۔ امام شعیب الارناؤوط نے مسند احمد کی روایت (13748) پر لکھا کہ "إسناده صحيح على شرط الشيخين"

یعنی یہ روایت بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح ہے اور اس میں ابن زیاد کا امام حسینؓ کے سر اقدس پر چھڑی لگانا واضح طور پر ثابت ہے۔

امام ترمذی نے بھی اپنی سنن میں ابن زیاد کے طنزیہ کلمات کو ذکر کیا ہے۔ ابن ابی عاصم نے اپنی کتاب الآحاد والمثانی (ص 307، رقم 423) میں روایت نقل کی ہے کہ اس نے چھڑی سے حسینؓ کے دانتوں پر ضرب لگائی اور کہا: "کتنا حسین دہان ہے" — جو سراسر طنز اور اہانت پر مبنی جملہ تھا۔

لہٰذا ابن زیاد کے اس مکروہ فعل کو تعریف یا غم کی حالت میں زمین کریدنے کے مترادف قرار دینا جیسا کہ سنابلی نے کیا ہے، دراصل علمی تحقیق نہیں بلکہ یزیدیت کا دفاع ہے۔ اس واقعہ کو صحابہ کرامؓ کے احتجاج نے تاریخ میں محفوظ کر دیا اور واضح کر دیا کہ ابن زیاد کا عمل رسول اللہ ﷺ کے نواسے کی کھلی اہانت تھی۔

ردبر تاویلِ سنابلی کے تحت یہ بات صاف طور پر سامنے آتی ہے کہ ابن زیاد کے فعل کو "مدح" یا "تعریف" قرار دینا سراسر حقیقت کے خلاف ہے۔ صحیح بخاری (3748) کے الفاظ
"فَجَعَلَ يَنْكُتُ" اس پر واضح دلیل ہیں کہ وہ چھڑی سے امام حسینؓ کے سرِ اقدس کو چھیڑ رہا تھا۔ اگر یہ تعریف ہوتی تو انس بن مالکؓ کیوں احتجاج کرتے اور کیوں کہتے کہ حسینؓ تو سب سے زیادہ رسول اللہ ﷺ سے مشابہ تھے؟ مدح پر کبھی احتجاج نہیں کیا جاتا۔

سنن ترمذی (3778) میں تو الفاظ ہیں کہ ابن زیاد اپنی چھڑی حسینؓ کے ناک میں مارتا تھا۔ بھلا ناک میں چھڑی مارنا عزت و احترام ہے یا سراسر اہانت؟ اسی طرح مسند احمد (13748) میں یہ الفاظ ہیں "فَجَعَلَ يَنْكُتُ عَلَيْهِ" یعنی وہ حسینؓ کے سرِ اقدس پر چھڑی مار رہا تھا۔

امام شعیب الارناؤوط نے اس روایت کے بارے میں کہا کہ "إسناده صحيح على شرط الشيخين" یعنی یہ بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔

کیا یہ تعریف تھی جو چھڑی مارنے کے ساتھ کی گئی؟

ابن ابی عاصم (423) کی روایت تو اور بھی واضح ہے کہ ابن زیاد حسینؓ کے دانتوں پر چھڑی مارتا تھا۔

اگر یہ مدح ہوتی تو انسؓ کے دل سے یہ الفاظ کیوں نکلتے: "لَا شُنُوْنَکَ، لَقَدْ رَأَیْتُ رَسُولَ اللّٰہِ ﷺ"؟ یعنی "تجھے کیا خبر، میں نے خود رسول ﷺ کو دیکھا ہے۔

"تاریخ طبری (5 / 391) میں ابن زیاد کے طنزیہ جملے بھی منقول ہیں کہ "إن أبا عبد اللہ قد کان شمط"

یعنی حسینؓ کے بال سفید ہو چکے تھے۔ یہ تعریف نہیں بلکہ واضح طنز تھا۔ اگر یہ سب مدح کے زمرے میں آتا تو دو جلیل القدر صحابہ، انسؓ اور زید بن ارقمؓ، کبھی احتجاج نہ کرتے۔

ان کا احتجاج اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ ابن زیاد کے یہ افعال سراسر گستاخی اور اہانت تھے۔ اس لیے سنابلی کا یہ کہنا کہ "ابن زیاد نے حسینؓ کی خوبصورتی کی تعریف کی تھی

"درحقیقت یزیدیت کا دفاع ہے، علمی تحقیق ہرگز نہیں۔ روایاتِ صحیحہ اور صحابہؓ کے احتجاج سب ایک آواز میں گواہی دیتے ہیں کہ یہ عمل توہین اور گستاخی تھا، مدح ہرگز نہیں۔

سنن ابی داود کی روایت (4749) میں عبید اللہ بن زیاد کی حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے۔ روایت کے مطابق اس نے صحابی رسول ابو برزہ اسلمیؓ کو دیکھ کر طعنہ دیا:

"ھذا محمدي سمین" یعنی "یہ محمدی موٹا ہے۔" یہ جملہ کوئی مدح نہیں بلکہ براہِ راست طعن اور اہانت تھی۔ ابو برزہؓ نے اسی وقت احتجاج کیا اور فرمایا:

"مجھے گمان نہ تھا کہ میں ایسے لوگوں میں باقی رہ جاؤں گا جو مجھے رسول اللہ ﷺ کی صحبت کا طعنہ دیں گے۔" اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ صحابیِ رسولؓ نے خود اس جملے کو گستاخی اور اہانت سمجھا، نہ کہ مدح یا تعریف۔

ابن زیاد کا یہ مزاج مزید اسی روایت میں ظاہر ہوتا ہے کہ پہلے تو اس نے اہانت کی، لیکن جب صحابی نے احتجاج کیا تو فوراً ڈھونگ رچاتے ہوئے کہنے لگا:

"محمد ﷺ کی صحبت تمہارے لیے فخر ہے، عیب نہیں۔" یہ اس کا منافقانہ رویہ تھا کہ پہلے گستاخی کرے اور پھر بات بدل کر مدح کا لبادہ اوڑھ لے۔

ابو برزہؓ نے بھی اس پر سخت ردّ عمل ظاہر کیا اور اعلان کیا کہ میں نے بارہا نبی اکرم ﷺ سے حوض کوثر کی حدیث سنی ہے، اور جو اس کو جھٹلائے اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن اس حوض سے نہ پلائے۔ یہ دراصل ابن زیاد اور اس جیسے منافقین کے خلاف بددعا اور لعنت تھی۔

اگر ان تمام شواہد کو جمع کیا جائے تو واضح تصویر سامنے آتی ہے۔ صحیح بخاری میں آتا ہے کہ ابن زیاد نے امام حسینؓ کے سر مبارک پر چھڑی ماری،

جامع ترمذی میں ذکر ہے کہ اس نے ناک اور دانتوں پر چھڑی ماری اور اہانت آمیز جملے کہے،

اور سنن ابی داود میں یہی شخص ایک جلیل القدر صحابی کو "محمدی موٹا" کہہ کر طعنہ دیتا ہے۔

یہ سب مل کر اس حقیقت کو ثابت کرتے ہیں کہ ابن زیاد اہل بیت اور صحابہ دونوں کا گستاخ تھا۔

اس کے برعکس یہ کہنا کہ یہ مدح تھی، محض جھوٹ اور تاویل ہے۔ اگر واقعی مدح ہوتی تو ابو برزہؓ جیسے صحابی اسے اہانت اور طعنہ کیوں سمجھتے؟

اس سے واضح ہوتا ہے کہ ابن زیاد کی شخصیت دراصل نفاق، اہانت اور آلِ رسول و صحابہ کی گستاخی پر قائم تھی، اور سنابلی جیسے لوگوں کی تاویلات محض حقیقت کو چھپانے کی ناکام کوشش ہے۔

ابن عساکر کی تاریخ دمشق (جلد 65، صفحہ 406) اور طبرانی کی تاریخ (جلد 5، صفحہ 461) میں فاطمہ بنت علیؑ کے یزید کے دربار میں پیش آنے والا ایک نہایت اہم اور شرمناک واقعہ درج ہے۔

روایت کے مطابق، یزید کے دربار میں ایک شامی شخص نے گستاخی کرتے ہوئے کہا:

"امیر المؤمنین! یہ لڑکی مجھے ہبہ کر دیجیے۔" یہ سن کر فاطمہ بنت علی خوفزدہ ہو گئیں اور گھبرا کر اپنی بہن حضرت زینبؑ کے کپڑے پکڑ لیے۔ اس پر حضرت زینبؑ نے نہایت جرات اور ایمان افروز انداز میں جواب دیا:

"اللہ کی قسم! تم نے غلط کہا ہے، یہ نہ تمہارے لیے جائز ہے اور نہ ہی یزید کے لیے۔"

یزید نے حضرت زینبؑ کے اس دوٹوک جواب پر غرور اور تکبر سے کہا:

"تم غلط کہہ رہی ہو! میں یہ کر سکتا ہوں اور اگر چاہوں تو اسے پورا بھی کر سکتا ہوں۔

"حضرت زینبؑ نے نہایت قوتِ ایمانی کے ساتھ جواب دیا:

"تم ہرگز ایسا نہیں کر سکتے! اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے ایسا کرنے کی کوئی گنجائش نہیں رکھی، ہاں اگر تم ہمارے دین سے خارج ہو جاؤ اور کسی دوسرے دین کو اختیار کر لو، تب ممکن ہے۔

"یہ سن کر یزید کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا اور وہ چیخ کر بولا: "کیا تم مجھے اس انداز سے مخاطب کرتی ہو! دین سے تو تمہارا باپ اور بھائی خارج ہو چکے ہیں۔"

حضرت زینبؓ نے بلا خوف و خطر جواب دیا: "اللہ کے دین، میرے والد، بھائی اور نانا ہی کے دین پر تمہارے باپ اور دادا کو ہدایت ملی تھی۔"

یزید نے مزید غصے میں کہا: "اللہ کی دشمن! تم جھوٹ کہتی ہو!" اس پر حضرت زینبؓ نے نہایت حکمت اور شجاعت کے ساتھ کہا:

"تم ہم پر مسلط حکمران ہو، ظلم کرتے ہو اور اپنی طاقت کے بل پر ہم پر غلبہ جتاتے ہو، مگر یاد رکھو یہ وقتی غلبہ ہے۔" حضرت زینبؓ کی یہ بے باک اور ایمان افروز گفتگو سن کر یزید لاجواب ہو گیا اور خاموشی اختیار کر لی۔

اس کے بعد وہی شامی شخص دوبارہ گستاخی پر اتر آیا اور یزید سے کہا: "امیر المؤمنین! یہ لڑکی مجھے ہبہ کر دیں۔" یزید جو پہلے ہی لاجواب ہو چکا تھا، غصے سے برہم ہو کر اس پر چیخا: "اللہ تجھے نیست و نابود کرے! تو ہمیشہ کنوارہ ہی رہے گا۔"

اس پورے واقعے سے ایک طرف یزید کی بد کرداری، کم ظرفی اور گھٹیا سوچ ظاہر ہوتی ہے، تو دوسری طرف حضرت فاطمہ بنت علیؓ اور حضرت زینبؓ کی عظیم جرات، دین سے وفاداری اور آلِ رسول کی غیرت مندی نمایاں ہو جاتی ہے۔

یہ واقعہ تاریخ میں ہمیشہ اس بات کی گواہی دیتا رہے گا کہ یزید کے دربار میں بھی آلِ رسول نے دینِ اسلام کی عزت اور ناموس کا دفاع بے خوف ہو کر کیا۔

کوفہ میں جب حضرت زینبؓ اور اہلِ بیتؓ یزید کے نمائندوں کے قبضے میں تھے تو اس ماحول میں حضرت زینبؓ نے اپنے خطبات کے ذریعے صبر، ہمت اور اللہ پر توکل کا پیغام دیا۔

انہوں نے کوفہ کے عوام کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ حسینؓ کی شہادت کو یزید کے ظلم کا دھوکہ نہ سمجھا جائے اور نہ اس پر مایوسی اختیار کی جائے، کیونکہ جو حسینؓ کے ساتھ رہا وہ حق کے لیے رہا اور جو چھوڑ گیا وہ محض دنیاوی خوف کا شکار ہوا۔

حضرت زینبؓ کا پیغام واضح تھا کہ ظلم وقتی ہوتا ہے لیکن حق ہمیشہ قائم رہتا ہے۔ انہوں نے کوفہ کے سرداروں اور اہلِ شہر کو بھی تنبیہ کی کہ وہ یزید کے دباؤ میں آ کر ظلم کی حمایت نہ کریں، اور ان کے یہ الفاظ ایسے وقت میں مسلمانوں کے لیے امید اور روشنی کا چراغ بن گئے۔

انہوں نے یہ بھی واضح کر دیا کہ حسینؓ کے خون کی قیمت دنیاوی انصاف نہیں بلکہ اللہ کے راستے میں قیام اور حق کی حفاظت ہے۔

حضرت زینبؓ کے یہ خطبات تاریخ میں ایک انقلاب کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کے ذریعے اہلِ شام اور امتِ مسلمہ کو یہ پیغام ملا کہ حق کی پیروی کبھی کمزور نہیں پڑتی، ظلم وقتی طور پر کامیاب ہو سکتا ہے مگر ابدی کامیابی ہمیشہ حق کے حصے میں آتی ہے۔

حضرت زینبؓ نے اپنے بھائی کی شہادت کو محض ایک المناک واقعہ نہیں رہنے دیا بلکہ اسے روحانی اور تاریخی سبق میں بدل دیا۔

ان کے خطبات اسلامی شعور کی حفاظت، مظلوم کی قیادت اور حق کی ابدی فتح کی علامت بن گئے۔

دمشق کے دربار میں جب حضرت زینبؓ کو یزید کے سامنے پیش کیا گیا تو انہوں نے نہایت جرات اور حکمت سے خطاب کیا۔ انہوں نے یزید کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا:

"اے یزید! تو یہ گمان کرتا ہے کہ حسینؓ کو قتل کر کے حق کو مٹا دے گا؟ خدا کی قسم! تو نے ہمارے جسموں کو قیدی بنایا ہے لیکن ہمارے نظریے اور ایمان کو کبھی قید نہیں کر سکتا۔" (ابن کثیر، البدایۃ والنھایۃ، ج 11، ص 562؛ طبرانی، المعجم الکبیر، 5 / 461؛ ابن عساکر، تاریخ دمشق، 69 / 176)۔

حضرت زینبؓ نے یزید کے ظلم اور فریب کو بے نقاب کیا اور وضاحت کی کہ دنیاوی حکمران وقتی کامیابی تو حاصل کر سکتے ہیں مگر حق کی حقیقت اور اسلام کی روشنی ہمیشہ قائم و دائم رہے گی۔

انہوں نے دربار میں موجود لوگوں اور شامی درباریوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ حق کے دشمن کا ساتھ نہ دیں اور ظلم میں شریک نہ بنیں، کیونکہ امام حسینؓ نے اپنی جان قربان کر کے حق کی حفاظت کی ہے۔

حضرت زینبؓ کی اس بے مثال جرات اور استقامت نے یزید کے غرور اور دھونس کو بے اثر کر دیا۔ ان کے خطبات نے دربار کے ماحول کو بدل ڈالا اور وہاں موجود افراد کے دلوں میں حق و باطل کی پہچان پیدا کر دی۔

انہوں نے واضح کر دیا کہ یزید کی ملوکیت اور دنیاوی سلطنت محض عارضی ہے جبکہ اصل فتح اور دائمی طاقت صرف حق کے ساتھ ہے۔ (ابن کثیر، البدایۃ والنھایۃ، ج11، ص562؛ طبرانی، المعجم الکبیر، 5/461؛ ابن عساکر، تاریخ دمشق، 69/176)۔

حضرت زینبؓ نے اپنے خطبات کے ذریعے یہ حقیقت واضح کر دی کہ ظلم اور جبر کا وقتی غلبہ کبھی بھی حق کو مغلوب نہیں کر سکتا۔ انہوں نے اہلِ بیتؓ کے اصولوں اور قربانی کو ابدی اور ناقابلِ فراموش قرار دیا۔

ان کے الفاظ نے نہ صرف یزید بلکہ اس کے دربار میں بیٹھے ہر شخص کے دل و دماغ کو جھنجھوڑ دیا اور انہیں یہ درس دیا کہ حق و باطل کی پہچان ہمیشہ قائم رہنی چاہیے۔ (ابن کثیر، البدایۃ والنھایۃ، ج11، ص562؛ طبرانی، المعجم الکبیر، 5/461؛ ابن عساکر، تاریخ دمشق، 69/176)۔

یہ خطبات اسلامی تاریخ میں نہایت اہمیت کے حامل ہیں کیونکہ ان سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ کربلا کا واقعہ محض ایک معرکہ نہیں تھا بلکہ یہ حق و باطل کی پہچان اور اسلامی شعور کی بقا کا معیار بن گیا۔ بنو امیہ کی ملوکیت وقتی اور زوال پذیر تھی، مگر اہلِ بیتؓ کے نظریات، قربانیاں اور اصول آج تک زندہ ہیں۔

حضرت زینبؓ کی شجاعت اور بصیرت نے آنے والی نسلوں کے لیے یہ سبق چھوڑا کہ ظلم کے خلاف ڈٹ کر کھڑا ہونا اور حق کی حفاظت کرنا ہی حقیقی کامیابی ہے۔ (ابن کثیر، البدایۃ والنھایۃ، ج11، ص562؛ طبرانی، المعجم الکبیر، 5/461)۔

بعض تاریخی کتب میں یہ ذکر ملتا ہے کہ یزید بن معاویہ نے امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل پر افسوس کا اظہار کیا اور کہا کہ اس نے ان کے قتل کا حکم نہیں دیا تھا۔ ابن عساکر نے تاریخ دمشق (ج14، ص213) میں اور ابن اثیر نے الکامل فی التاریخ (ج3، ص324) میں اس بات کا ذکر کیا ہے کہ یزید نے امام حسینؓ کی شہادت پر افسوس ظاہر کیا۔

تاہم، ان روایات کی صحت پر مؤرخین کے درمیان اختلاف ہے۔ بعض محققین ان روایات کو کمزور یا موضوع قرار دیتے ہیں کیونکہ یزید کے اعمال اور بعد کے واقعات اس کے اس "افسوس" کے دعوے سے متصادم ہیں۔ مثلاً امام حسینؓ کی شہادت کے بعد اہلِ بیتؓ کو قید کرنا، ان کے ساتھ بدسلوکی کرنا، اور پھر مدینہ و مکہ پر حملہ کروانا (واقعہ حرہ اور محاصرہ مکہ) یزید کے کردار پر سنگین سوالات اٹھاتے ہیں۔

مزید برآں، روایات سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ یزید نے ابن زیاد کی تعریف کی اور اسے انعامات دیے، جو امام حسینؓ کے قتل پر اس کے مبینہ افسوس کے بالکل خلاف ہے (تاریخ طبری، ج5؛ البدایہ والنہایہ، ابن کثیر، ج 8)۔

اس لیے اگرچہ بعض روایات میں یزید کے افسوس کا ذکر موجود ہے، لیکن مجموعی شواہد اور اس کے بعد کے اقدامات یہ باور کراتے ہیں کہ یزید کا یہ افسوس محض ایک سیاسی ڈھال تھا، اور اس کے قول و فعل میں واضح تضاد پایا جاتا ہے۔

واقعۂ حرہ (63ھ، ذوالحجہ)

یہ یزید کا دوسرا بڑا جرم تھا۔ جب اہل مدینہ نے یزید کے فسق وفجور اور ظلم کے باعث اس کی بیعت توڑ دی تو یزید نے اپنے سپہ سالار مسلم بن عقبہ کو دس ہزار شامی فوج کے ساتھ مدینہ منورہ پر حملے کے لیے بھیجا۔

مدینہ کے نواحی مقام "حرہ واقم" میں شدید جنگ ہوئی، ہزاروں صحابہ کرامؓ اور تابعین شہید ہوئے، عورتوں کی عصمت دری کی گئی، حتیٰ کہ مسجد نبوی میں خون بہایا گیا اور صحابہ کے گھروں کو لوٹا گیا۔

(تاریخ طبری، ج5، ص472؛ البدایۃ والنھایۃ لابن کثیر، ج8، ص241-242)

مکہ مکرمہ پر حملہ اور کعبہ پر منجنیق باری (64ھ)

اہل مدینہ کے بعد اہل مکہ نے بھی یزید کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔ اس پر یزید نے مکہ پر لشکر بھیجا جس نے منجنیقوں کے پتھروں سے بیت اللہ شریف کو نقصان پہنچایا اور اس کی چادر جل گئی۔

(تاریخ طبری، ج5، ص479؛ البدایۃ والنھایۃ، ج8، ص243)

یزید کے یہ تینوں جرائم اس کے کردار کو واضح کرتے ہیں:

کربلا کی مظلومیت نے اسے تاریخ کے بدترین حکمرانوں میں لا کھڑا کیا۔

مدینہ کی بے حرمتی (واقعۂ حرہ) نے اس کے خلاف مدینہ کے تمام صحابہ اور تابعین کو اٹھا کھڑا کیا۔

مکہ پر حملہ نے یہ ظاہر کر دیا کہ یزید کو نہ حرمین شریفین کی حرمت کا پاس تھا اور نہ مسلمانوں کی جان و مال و عزت کا۔

اہم مراجع:

تاریخ طبری، ج5

البدایۃ والنھایۃ، ابن کثیر، ج8

صحیح بخاری، رقم:3748

سنن ترمذی، رقم:3778

امام زین العابدینؒ کی اسیری اور بنو امیہ کا رویہ

امام زین العابدینؒ (علی بن حسینؓ، معروف بہ سجاد) کربلا کے دن بیماری کی وجہ سے خیمے میں تھے اور جنگ میں شریک نہ ہو سکے۔ اسی بیماری کے سبب وہ زندہ بچ گئے، جبکہ آپ کے اہلِ بیت اور ساتھیوں کی بڑی تعداد شہید ہوئی۔

کربلا کے بعد قیدیوں میں خواتینِ اہلِ بیت کے ساتھ امام زین العابدینؒ کو بھی گرفتار کر کے پہلے کوفہ اور پھر شام کے دربارِ یزید میں پیش کیا گیا۔ بعض مورخین نے یہ لکھا ہے کہ یزید نے امام زین العابدینؒ کو اپنے ساتھ بیٹھا کر کھانا کھلایا اور اسے بطور "انعام" ظاہر کیا۔

مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ عزت افزائی نہیں بلکہ طنز اور دل آزاری تھی۔ جس امام کے سامنے اس کے خاندان کے 72 شہداء کی لاشیں گری ہوں، جس کے چچاؤں، بھائیوں اور باپ کے سروں کو دربار میں نمائش کے طور پر رکھا گیا ہو، وہ کھانے کا لقمہ کیسے اٹھا سکتا ہے؟ یہ سب کچھ اہل بیت کی توہین اور بنو ہاشم کی تذلیل کے لیے کیا گیا۔

مزید یہ کہ اہل بیت کی خواتین کو قیدی بنا کر شام لے جانا محض ظلم نہیں بلکہ ایک جشن کی صورت اختیار کر گیا۔ ورنہ یزید چاہتا تو انہیں براہِ راست کوفہ سے مدینہ روانہ کر دیتا۔ مقصد یہ تھا کہ اہل بیت کو بنو امیہ کے دربار میں لا کر یہ منظر دکھایا جائے کہ "تم ہمارے سامنے قیدی ہو اور تمہاری عزت و حرمت پامال ہو چکی ہے۔"

رسول اللہ ﷺ نے اہل بیت کی عزت کے بارے میں جو ہدایات دیں وہ مسلم شریف کی روایت میں محفوظ ہیں:

عن زید بن أرقم رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ:

أُذَكِّرُكُمُ اللَّهَ فِي أَهْلِ بَيْتِي، أُذَكِّرُكُمُ اللَّهَ فِي أَهْلِ بَيْتِي، أُذَكِّرُكُمُ اللَّهَ فِي أَهْلِ بَيْتِي

(میں تمہیں اللہ کے بارے میں اہل بیت کے متعلق یاد دہانی کراتا ہوں، میں تمہیں اللہ کے بارے میں اہل بیت کے متعلق یاد دہانی کراتا ہوں، میں تمہیں اللہ کے بارے میں اہل بیت کے متعلق یاد دہانی کراتا ہوں)۔

صحیح مسلم، حدیث:6339

یزید کا یہ عمل "انعام" نہیں بلکہ ظلم اور تذلیل کی انتہا تھی۔ اہل بیتؑ کو دربار میں لا کر ذلیل کرنا اور پھر "کھانے" کو انعام قرار دینا تاریخ میں بنو امیہ کے جشنِ فتح کی اصل حقیقت کو آشکار کرتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی تلوار اور امام زین العابدینؒ

امام زین العابدینؒ (علی بن حسین بن علیؓ) کے پاس رسول اللہ ﷺ کی وہ تلوار موجود تھی جو پہلے حضرت علیؓ، پھر حضرت حسنؓ، اور اس کے بعد حضرت حسینؓ کے پاس رہی۔ کربلا میں حضرت حسینؓ نے اسی تلوار سے یزیدی فوج کے خلاف جہاد کیا۔ شہادت کے بعد یہ تلوار امام زین العابدینؒ کے پاس پہنچی۔

صحابیٔ رسول حضرت مسور بن مخرمہؓ نے امام زین العابدینؒ سے کہا:

"یہ تلوار مجھے دے دیجئے تاکہ میں اسے اپنی حفاظت میں رکھوں، کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ بنو امیہ والے آپ سے چھین نہ لیں۔"

(صحیح بخاری، کتاب الجہاد، باب: مایذکر فی سیف رسول اللہ ﷺ، حدیث: 3006)

یہ روایت اس بات کی واضح دلیل ہے کہ امام زین العابدینؒ کربلا کے بعد یزید کے دربار میں قید ہو کر شام لائے گئے تھے۔ اگر یہ واقعہ ہی پیش نہ آیا ہوتا تو یہ گفتگو اور یہ تاریخی تسلسل ممکن نہ تھا۔

مدینہ والوں کا ردعمل اور واقعہ حرہ کا پس منظر

جب کربلا کی خبر مکہ، مدینہ، بصرہ اور کوفہ پہنچی تو مسلمانوں کے دلوں میں شدید غم اور غصہ پیدا ہوا۔ خاص طور پر اہل مدینہ نے یزید کے خلاف سخت ردعمل ظاہر کیا۔

یزید نے اپنے گورنر کے طور پر عثمان بن محمد بن ابی سفیان کو مدینہ بھیجا تاکہ حالات کو سنبھالے، لیکن اہل مدینہ اس کے خلاف مزید مشتعل ہو گئے۔

اہل مدینہ نے فیصلہ کیا کہ ایک وفد تیار کر کے براہِ راست یزید سے بات کی جائے۔

اس وفد کی قیادت عبد اللہ بن حنظلہ الانصاریؓ (بیٹے حنظلہ غسیل الملائکہؓ) کر رہے تھے۔ ان کے ساتھ منظر بن زبیر اور عبد اللہ بن عمر بن حفص المخزومی سمیت کئی معزز شخصیات تھیں۔

جب یہ وفد شام پہنچا تو یزید نے ان کی بڑی ضیافت کی اور ان پر مال و دولت نچھاور کیا۔ روایت میں آتا ہے کہ عبد اللہ بن حنظلہ کو ایک لاکھ درہم دیے گئے۔

مگر حقیقت یہ تھی کہ یزید اپنی سیاست اور جبر کے ذریعے انہیں اپنے ساتھ ملانا چاہتا تھا، حالانکہ اس کے ظلم و ستم بدستور جاری تھے۔

(الطبری، تاریخ الامم والملوک، ج5، ص472؛ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج8، ص242)

کربلا کے بعد امام زین العابدینؓ کے پاس رسول اللہ ﷺ کی امانت یعنی تلوار موجود تھی، جس کا ذکر صحیح بخاری میں آیا ہے۔

یہ اس بات کی تاریخی شہادت ہے کہ امام اہل بیت یزید کے دربار میں قید ہو کر شام گئے۔ دوسری طرف کربلا کے سانحے نے مدینہ والوں کو بیدار کیا اور وہ یزید کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے، جس کا نتیجہ "واقعہ حرہ" کی صورت میں نکلا۔

یزید کی رشوت اور اہل مدینہ کا ردعمل

یزید نے اہل مدینہ کے وفد کو مال و دولت دے کر خریدنے کی کوشش کی۔ عبداللہ بن حنظلہؓ کو ایک لاکھ درہم، ان کے آٹھ بیٹوں کو دس دس ہزار درہم، اور منذر بن زبیر کو بھی ایک لاکھ درہم دیے گئے۔

لیکن جب یہ وفد مدینہ واپس آیا اور لوگوں نے ان سے پوچھا کہ تم نے یزید کو کیسا پایا، تو عبداللہ بن حنظلہؓ نے کہا:

"ہم نے یزید کو ایسا شخص پایا جو شراب پیتا ہے، بدکاری کرتا ہے اور فسق و فجور میں ڈوبا ہوا ہے۔ ہم ہرگز اس کو اپنا امیر نہیں مان سکتے۔"

(تاریخ طبری، ج5، ص472؛ البدایہ والنہایہ، ابن کثیر، ج8، ص242)

اس کے بعد اہل مدینہ نے یزید کے مقرر کردہ گورنر عثمان بن محمد بن ابی سفیان کو معزول کر کے عبداللہ بن حنظلہ کو اپنا قائد منتخب کیا۔ اسی طرح مکہ میں اہل حجاز نے یزید کی بیعت توڑ کر عبداللہ بن زبیرؓ کو امیر مان لیا۔

یزید کی ناکام کوششیں

یزید نے پہلے نعمان بن بشیر انصاریؓ کو اہل مدینہ کو راضی کرنے کے لیے بھیجا، مگر وہ کامیاب نہ ہو سکے۔ پھر یزید نے مدینہ کے سابق گورنر عمرو بن سعید کو کہا کہ فوج لے کر مدینہ والوں کو اطاعت پر مجبور کرے، لیکن اس نے انکار کرتے ہوئے کہا:

"کربلا کا بوجھ ہمارے کندھوں پر پہلے ہی ہے، اب ہم انصار کے خون کا بوجھ نہیں اٹھا سکتے۔"

اسی طرح عبیداللہ بن زیاد نے بھی یہ ذمہ داری لینے سے انکار کر دیا۔

مسلم بن عقبہ اور واقعہ حرہ

آخر کار یزید نے ایک بوڑھے جنرل مسلم بن عقبہ المری کو منتخب کیا، جسے مورخین نے "مسرف" (یعنی فساد برپا کرنے والا) کا لقب دیا۔

یزید نے اسے 12 ہزار فوج کے ساتھ مدینہ روانہ کیا اور حکم دیا کہ اہل مدینہ کو تین دن کا الٹی میٹم دے۔ اگر وہ بیعت نہ کریں تو مدینہ پر چڑھائی کرے۔

معاویہ کی وصیت اور یزید کی پالیسی کا پس منظر

جب معاویہ بن ابی سفیان کی وفات قریب آئی تو انہوں نے اپنے بیٹے یزید کو چند نصیحتیں کیں، جن میں بعض تاریخی روایات کے مطابق مدینہ کے لوگوں کے متعلق ایک سخت وصیت بھی شامل تھی۔

ابن اثیر نقل کرتے ہیں:

"معاویہ نے یزید کو وصیت کی کہ اگر اہلِ مدینہ بیعت سے انکار کریں تو ان پر مسلم بن عقبہ کو چڑھا دینا اور انہیں سختی سے کچل دینا۔"

(الکامل فی التاریخ، ابن اثیر، ج4، ص112)

اسی مضمون کو ابن قتیبہ دینوری نے اپنی معروف کتاب الامامۃ والسیاسۃ میں بھی نقل کیا ہے:

"معاویہ نے کہا: اگر اہلِ مدینہ تیری بیعت سے منکر ہوں تو ان کے خلاف مسلم بن عقبہ کو بھیجنا، اور انہیں سخت سزا دینا تاکہ دوسروں کے لیے عبرت بن جائیں۔"

(الامامۃ والسیاسۃ، ج 1، ص 231)

مفہوم و نتیجہ

یہ وصیت دراصل یزید کی سیاسی ذہنیت کی جڑ بنی۔

یہی وہ پس منظر ہے جس میں بعد میں واقعہ حرہ (63 ہجری) پیش آیا،

جہاں مسلم بن عقبہ المری نے مدینہ منورہ پر حملہ کیا،

سینکڑوں صحابہ و تابعین شہید کیے گئے،

اور مسجدِ نبوی میں تین دن تک فوجی فساد و غارت کا بازار گرم رہا۔

یہی وہ طرزِ حکومت تھی جس کے خلاف امام حسینؓ نے سب سے پہلے آواز اٹھائی —

کیونکہ حسینؓ جانتے تھے کہ اگر یزید جیسا شخص اقتدار پر مضبوط ہو گیا، تو نہ دین بچے گا، نہ امت کی حرمت۔

یہ سب اس کے باوجود ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا:

"جو مدینہ والوں کو ڈرائے، اس پر اللہ کی لعنت، فرشتوں کی لعنت اور تمام انسانوں کی لعنت ہو۔"

(صحیح بخاری، حدیث: 1877؛ صحیح مسلم، حدیث: 1381)

اہل مدینہ نے کہا:

"یزید کے ہاتھ پر بیعت کرنے سے موت بہتر ہے۔"

چنانچہ یزیدی لشکر نے مدینہ پر حملہ کیا اور یہ خونی سانحہ تاریخ میں "واقعہ حرہ" کے نام سے مشہور ہوا۔

یزید نے اہل مدینہ کو دولت سے خریدنے کی کوشش کی مگر وہ ناکام ہوا۔ اہل مدینہ نے یزید کی بیعت توڑ کر عبد اللہ بن حنظلہ کو اپنا امیر بنایا۔ یزید نے فوج کشی کے ذریعے مدینہ پر حملہ کروایا اور مسلمانوں کا خون بہایا، جسے تاریخ نے "واقعہ حرہ" کے نام سے یاد رکھا ہے۔

مسلم بن عقبہ کی یلغار اور واقعہ حرہ کی تفصیل

مسلم بن عقبہ 12 ہزار فوج کے ساتھ مدینہ کے قریب "حرہ واقم" کے مقام پر پہنچا۔ اہل مدینہ نے عبد اللہ بن حنظلہؓ (غسیل الملائکہ کے بیٹے) کی قیادت میں مقابلہ کیا۔ دونوں فوجیں آمنے سامنے آئیں۔ شدید جنگ کے بعد یزیدی فوج غالب آگئی۔

اہل مدینہ کا قتل عام

یادگار مورخین لکھتے ہیں:

700 صحابہ اور تابعین (جنہوں نے بدر، احد اور دیگر غزوات دیکھے تھے) شہید کر دیے گئے۔

10 ہزار سے زائد عام مسلمان، عورتیں اور بچے مارے گئے۔

(تاریخ طبری، ج5، ص491؛ البدایہ والنہایہ، ج8، ص242-243)

تین دن کی لوٹ مار اور بے حرمتی

یزیدی فوج کو حکم دیا گیا کہ تین دن تک مدینہ ان کے لیے مباح ہے۔ اس دوران:

گھروں کو لوٹا گیا۔

عزتیں پامال کی گئیں، یہاں تک کہ ہزاروں عورتوں کی عصمت دری کی گئی۔

تاریخ میں لکھا ہے کہ ان کے نتیجے میں ہزاروں ناجائز بچے پیدا ہوئے۔

(البدایہ والنہایہ، ابن کثیر، ج8، ص243؛ المنتظم، ابن جوزی، ج5، ص324)

مسجد نبوی کی بے حرمتی

یزیدی لشکر نے مسجد نبوی ﷺ میں گھوڑے باندھ دیے۔

منبرِ رسول ﷺ پر چڑھ کر نعرے لگائے اور گانے گائے۔

(تاریخ طبری، ج5، ص492؛ الکامل لابن اثیر، ج3، ص327)

عبداللہ بن حنظلہؓ کی شہادت

اہل مدینہ کے قائد عبداللہ بن حنظلہؓ اور ان کے آٹھ بیٹے شہید کر دیے گئے۔ عبداللہؓ نے اپنی قوم سے کہا تھا:

"اے اہل مدینہ! میں یزید کے خلاف اس لیے کھڑا ہوا ہوں کہ اس نے ہمارے بچوں اور عورتوں کی عزتیں برباد کر دیں، اور وہ شراب نوشی اور بدکاری میں ڈوبا ہوا ہے۔ اگر میرے ساتھ صرف میرے بیٹے بھی رہیں تو میں یزید کے خلاف جہاد کروں گا۔"

(تاریخ طبری، ج5، ص490؛ البدایہ والنہایہ، ج8، ص242)

یزید کے سیاہ کارناموں میں دوسرا

یہ واقعہ حرہ یزید کے تین بڑے سیاہ کارناموں میں سے دوسرا ہے:

شہادتِ امام حسینؓ اور اہل بیتؓ کا قتلِ عام (61 ہجری)

واقعہ حرہ: اہل مدینہ کا قتلِ عام اور مسجد نبوی کی بے حرمتی (63 ہجری)

خانہ کعبہ پر حملہ اور اس کی دیواروں کو جلا دینا (64 ہجری)

(البدایہ والنہایہ، ابن کثیر؛ تاریخ طبری؛ الکامل لابن اثیر)

غیر مسلم لشکر کی شمولیت

تاریخ نگاروں نے لکھا ہے کہ یزید کی فوج میں صرف شامی مسلمان ہی نہیں بلکہ قبطی (مصری) عیسائی اور غیر مسلم بھی شامل تھے۔ (البدایہ والنہایہ، ابن کثیر، ج8، ص243)

یہ بات بھی تاریخ سے ثابت ہے کہ یزید کے مشیر خاص "سرجون النصرانی" نامی ایک عیسائی تھا، جو حکومتی فیصلوں میں اثر انداز ہوتا تھا۔ (ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج7، ص482)

تین دن مدینہ مباح قرار دینا

مسلم بن عقبہ نے اہل مدینہ کو تین دن کی مہلت دی کہ وہ یزید کی بیعت کر لیں، مگر اہل مدینہ نے انکار کیا۔ اس کے بعد فوج کو حکم ملا کہ مدینہ پر چڑھائی کر کے تین دن کے لیے اسے مال و جان اور عزت کے اعتبار سے مباح سمجھ لیا جائے۔

نتیجہ یہ نکلا کہ 700 سے زائد صحابہ و تابعین شہید ہوئے۔

10 ہزار سے زیادہ عام مسلمانوں کو قتل کیا گیا۔

مسجد نبوی ﷺ کی بے حرمتی کی گئی، یہاں تک کہ اس میں گھوڑے باندھے گئے اور وہیں پیشاب و گوبر کرتے رہے۔

(تاریخ طبری، ج5، ص492؛ البدایہ والنہایہ، ج8، ص242-243)

عصمت دری اور ناجائز اولاد

ابن کثیر اور دیگر مورخین لکھتے ہیں کہ اس تین دن کے حملے کے نتیجے میں:

ایک ہزار سے زائد عورتیں بے پردہ اور بے عصمت ہوئیں۔

ان سے ناجائز حمل ہوئے، اور بعد میں ہزاروں ناجائز بچے پیدا ہوئے۔

(البدایہ والنہایہ، ابن کثیر، ج8، ص243؛ المنتظم، ابن جوزی، ج5، ص324)

یہ وہ ظلم تھا جسے سن کر آج بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یزید نے اس درندگی کے لیے اپنی فوج کو لالچ دیا:

ہر سپاہی کو بڑا انعام دینے کا وعدہ کیا گیا۔

اور تین دن تک مدینہ کو ان کے لیے مباح کر دیا گیا۔

چنانچہ وہ فوج، جس میں زیادہ تر غیر مسلم اور دنیا پرست سپاہی تھے، تیار ہوئی اور تاریخ اسلام کا یہ سیاہ ترین باب لکھا گیا۔

یزید نے اپنی فوج کو مدینہ پر تین دن کے لیے حلال کیوں کیا اس کے پیچھے کیا وجہ ہو سکتی ہے

مورخین نے اس کی وجہ کے بارے میں چند احتمالات ذکر کیے ہیں۔ اگرچہ یزید کے عمل کی اصل نیت تو وہی جانتا تھا، لیکن حالات و روایات کی روشنی میں کچھ نکات سامنے آتے ہیں:

1. فوج کو لالچ دینا اور تیار کرنا

مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے عام مسلمان تیار نہیں تھے، کیونکہ مدینہ کی عظمت اور رسول اللہ ﷺ کی نسبت ہر مسلمان کے دل میں احترام رکھتی تھی۔

اس لیے یزید اور اس کے جرنیل نے ایسے بد کردار اور دنیاپرست لوگوں کو اکٹھا کیا، جنہیں مال و دولت اور لالچ کے بغیر لڑنے پر آمادہ نہیں کیا جاسکتا تھا۔

اس لیے انہیں کہا گیا کہ "تین دن مدینہ تمہارے لیے مباح ہے"، تاکہ وہ دل کھول کر قتل و غارت کریں۔

(تاریخ طبری، ج5، ص492؛ البدایہ والنہایہ، ج8، ص242)

2. اہل مدینہ کو عبرت کا نشانہ بنانا

اہل مدینہ نے یزید کی بیعت توڑ کر اس کے خلاف کھل کر اعلان بغاوت کیا تھا اور اس کی بدکاریوں پر نکیر کی تھی۔ یزید نے انہیں سخت سزا دینے کے لیے یہ قدم اٹھایا تاکہ باقی شہروں کے لوگ خوف زدہ ہو جائیں اور یزید کی مخالفت کی جرأت نہ کریں۔

3. بنو امیہ کا "سیاسی انتقام"

کربلا کے سانحے کے بعد بنو امیہ کے دل میں اہل مدینہ اور اہل بیتؓ کے لیے شدید کینہ تھا۔ مدینہ دراصل اہل بیتؓ، صحابہؓ اور تابعینؒ کا گڑھ تھا۔ اس لیے انہیں ذلیل و خوار کر کے اپنی سیاسی برتری جتائی گئی۔

4. غیر مسلم سپاہیوں کی شمولیت

بہت سی روایات کے مطابق یزید کی فوج میں نصرانی اور قبطی بھی شامل تھے۔(الطبقات الکبریٰ، ابن سعد، ج7، ص482)

چونکہ ان کے دل میں مدینہ کی عظمت نہیں تھی، لہٰذا وہ اس درندگی میں زیادہ بڑھ چڑھ کر شریک ہوئے۔

5. یزید کی اخلاقی پستی

اگرچہ وہ کلمہ گو تھا، لیکن شراب نوشی، لہو ولعب اور دین سے بے پرواہی اس کی سیرت کا حصہ تھی۔(تاریخ طبری، ج5، ص451؛ البدایہ والنہایہ، ج8، ص222)

ایسے شخص سے یہ توقع بعید نہیں کہ وہ محض اقتدار کی خاطر مدینہ منورہ کو تین دن کے لیے مباح قرار دے دے۔

یزید نے مدینہ کو تین دن کے لیے مباح اس لیے قرار دیا:

اپنی فوج کو حملے پر آمادہ کرنے کے لیے لالچ دیا۔

اہل مدینہ کو بغاوت کی سزا دینے کے لیے عبرت بنانا چاہا۔

اور اپنی سیاسی طاقت جتانے کے لیے ایک سفاک فیصلہ کیا۔

حوالہ جات:

تاریخ طبری، ج5، ص492

البدایہ والنہایہ، ابن کثیر، ج8، ص242-243

المنتظم، ابن جوزی، ج5، ص324

آیئے دیکھتے ہیں کہ مشہور مسلم مؤرخین اور محدثین نے یزید کے اس فعل، یعنی مدینہ کو تین دن کے لیے مباح قرار دینے کے واقعہ حرہ، کے بارے میں کیا کہا ہے:

1. ابن کثیر (البدایہ والنہایہ)

ابن کثیر نے تفصیل کے ساتھ بیان کیا کہ یزید نے مدینہ پر تین دن کے لیے حملے کی اجازت دی تاکہ فوج کو مکمل آزادی مل جائے۔

اس میں صحابہ اور تابعین کی بیٹیوں، گھروں اور مساجد پر بھی ظلم ہوا۔

ابن کثیر واضح کرتے ہیں کہ یہ اقدام یزید کی سیاسی برتری کے لیے اور مدینہ والوں کو خوفزدہ کرنے کے مقصد سے تھا۔

البدایہ والنہایہ، ج8، ص242–243

2. تاریخ طبری

طبری لکھتے ہیں کہ یہ فوج شام اور مصر سے لائی گئی، جس میں غیر مسلم بھی شامل تھے۔

فوج کو تین دن کے لیے مدینہ کو حلال قرار دیا گیا تاکہ وہ بے خوف اور مکمل طریقے سے ظلم کر سکیں۔

طبری اس عمل کو یزید کی ظلم وسفاکی اور اہل مدینہ کی مخالفت پر انتقام قرار دیتے ہیں۔

تاریخ طبری، ج5، ص492

3. ابن سعد (الطبقات الکبریٰ)

ابن سعد نے بیان کیا کہ یزید کی فوج میں نصرانی اور قبطی بھی شامل تھے، تاکہ مسلمان دل میں خوف اور بے بسی محسوس کریں۔

اس نے بھی اس بات پر زور دیا کہ یہ اقدام صرف سیاسی انتقام اور خوف پیدا کرنے کے لیے تھا۔

الطبقات الکبریٰ، ج7، ص482

4. ابن جوزی (المنتظم)

ابن جوزی لکھتے ہیں کہ یزید نے مدینہ کو تین دن کے لیے مباح قرار دیا تاکہ عوام پر ظلم کرنے کا موقع ملے اور باقی شہروں کو عبرت ہو۔

ابن جوزی اسے یزید کی اخلاقی پستی اور دین سے بے رغبتی کی دلیل قرار دیتے ہیں۔

المنتظم، ج5، ص324

5. خلاصہ مؤرخین کی رائے

سب مؤرخین اتفاق کرتے ہیں کہ یہ عمل یزید کی سفاکی، سیاسی انتقام اور ظلم پرستی کا واضح ثبوت ہے۔

اس اقدام کا کوئی دینی یا اخلاقی جواز نہیں، بلکہ یہ مکمل طور پر انتقام، خوف اور اقتدار کی تسلسل کے لیے کیا گیا تھا۔

غیر مسلم فوجیوں کی شمولیت اور تین دن کی مدت اس بات کی دلیل ہے کہ یزید نے جان بوجھ کر مسلمانوں کے دل میں خوف بٹھانے کی کوشش کی۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالی نے ان کے اور زید بن ارقم کے حق میں سورہ منافقون نازل کی، جب عبد اللہ بن ابی نے مدینہ پہنچ کر جھوٹ بول کر کہا کہ اگر ہم عزت والے مدینہ پہنچ گئے تو ذلیلوں کو نکال باہر کریں گے۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ، جو دس سال تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص رہے، فرماتے ہیں کہ وہ اس واقعہ سے بہت غمگین اور افسردہ تھے۔

انہوں نے بتایا کہ جب واقعہ حرہ کا سن کر، جہاں مدینہ والوں پر ظلم ہوا، صحابہ کرام قتل کیے گئے، عبد اللہ بن حنظلہ اور دیگر اہل بیت کے صحابہ شہید ہوئے، تو زید بن ارقم نے کوفہ سے بصرہ میں انس بن مالک کو ایک تسلی بھرا خط بھیجا۔

اس میں کہا گیا کہ کیوں اتنے دکھی ہیں، کیوں نراش ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی ہمیں بتایا تھا کہ ظلم ہو گا، اور اللہ تعالی نے ہمارے لیے مغفرت بھی کر دی ہے۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس خط سے انہیں تسلی ملی کہ یہ سب اللہ کی تقدیر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کے مطابق ہوا۔

یہ واقعہ ذوالحجہ 63 ہجری کا ہے، اور اس کے بعد اسلام کے وفاداروں کی نسل پر مسلسل ظلم اور محاصرے کا سلسلہ شروع ہوا۔

یہ واقعہ، کربلا کے بعد، مسلمانوں کے جانثاروں کے خلاف بنو امیہ کے دو بڑے سیاہ کارناموں میں سے ایک تھا۔

حوالہ: صحیح بخاری، حدیث نمبر 4906

1. مدینہ میں رد عمل

واقعہ حرہ کے بعد مدینہ والے شدید غصے اور دکھ میں مبتلا ہوئے۔

یزید کی فوج نے تین دن کے لیے شہر کو مباح قرار دیا تھا، جس دوران گھوڑے، فوجی اور غیر مسلم اہلکار مساجد اور گھروں میں گھس کر ظلم ڈھاتے رہے۔

اس ظلم و بربریت نے مدینہ والوں میں شدید نفرت اور احتجاج پیدا کیا۔

شہر کے لوگ عثمان بن محمد بن ابی سفیان، جو یزید کا حاکم مقرر کیا گیا تھا، کی بات نہیں مانے اور اسے معزول کر کے عبد اللہ بن حنظلہ کو اپنا قائد منتخب کیا۔

ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج 8، ص 243

2. مکہ میں رد عمل

مکہ والوں نے بھی یزید کی طرف سے لگائی گئی طاقت اور ظلم کو رد کیا۔

انہوں نے یزید کو چھوڑ کر عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو اپنا قائد تسلیم کیا، جو بعد میں خلافت کے لیے بھی اہم کردار ادا کرنے والے تھے۔

یہ ظاہر کرتا ہے کہ کربلا اور واقعہ حرہ کے بعد امت نے یزید کے ظلم کے سامنے نہ جھکنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

الطبقات الکبریٰ، ج 7، ص 482

3. فوج اور طاقت کا استعمال

یزید نے مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے مسلم بن عقبہ المری کو 12 ہزار سپاہیوں کے ساتھ بھیجا اور تین دن کا الٹی میٹم دیا کہ اگر لوگ بیعت نہ کریں تو فوج کارروائی کرے۔

غیر مسلم فوجیوں کی شمولیت اس بات کی دلیل ہے کہ مسلمانوں میں داخلی مزاحمت زیادہ تھی اور یزید کو اپنے مقصد کے لیے طاقت کا استعمال کرنا پڑا۔

تاریخ ابن کثیر، ج8، ص242

4. خلاصہ

واقعہ حرہ نے مسلمانوں کو یہ واضح کر دیا کہ یزید کی حکومت ظلم، سفاکی اور انصاف کے خلاف ہے۔

مدینہ اور مکہ والوں کے ردعمل نے دکھایا کہ امت نے ظلم کے سامنے کبھی تسلیم نہیں کیا۔

یہ احتجاج بعد میں خلافت کے اہل بیت اور حق کے علمبرداروں کے قیام کی بنیاد بنا۔

واقعہ حرہ کے مقتولین کے نام

امام خلیفہ بن خیّاط نے اپنی تاریخ میں اہل مدینہ کے صحابہ اور تابعین کے قتلِ عام کا ذکر کرتے ہوئے ان کے نام بھی گنوائے جنہیں یزید کی فوج نے قتل کیا۔

یہ مقتولین مختلف قبائل اور خاندانوں سے تعلق رکھتے تھے، جن میں بنی ہاشم، قریش، بنی سلیم، بنی ملوث دیگر حلیف قبائل شامل ہیں۔

اہل ہاشم و قریش میں مقتولین:

۱۔ ابو بکر بن عبد اللہ بن جعفر بن ابی طالب

۲۔ الفضل بن عباس بن ربیعہ بن الحارث بن عبد المطلب

۳۔ عبد اللہ بن نوفل بن الحارث بن عبد المطلب

۴۔ عباس بن عتبۃ بن ابی لہب

حلیف قبائل اور بنی سلیم کے افراد:

۵۔ سلیمان بن صفوان بن عباد بن شیبان

۶۔ الاسود بن عباد بن شیبان

۷۔ عتبۃ بن معبد

۸۔ محمد بن عقبہ بن دبیہ بن جابر

۹۔ جری بن حزم بن جابر

۱۰۔ یحیٰ بن نافع بن عجیر بن عبد یزید بن ہاشم

بنی نوفل اور دیگر قبائل:

۱۳۔ داود بن الولید بن قرظۃ

۱۴۔ الولید بن داود

۱۵۔ عبید اللہ بن عتبۃ بن غزوان

اہل انصار و دیگر قبائل:

۱۳۵۔ عبد اللہ بن حنظلہ اور سات بیٹے

۱۳۶۔ عبد الرحمن

۱۳۷۔ الحارث

۱۳۸۔ الحکم

۱۳۹۔ عاصم

۱۴۰۔ یحییٰ

۱۴۱۔ عبد اللہ ابن مجمع

۱۴۲۔ عیسیٰ بن عبد الرحمن بن یزید

۱۴۳۔ عکاشہ بن یزید بن عبد الرحمن

۱۴۴۔ عمرو بن سوید بن عقبہ

اس فہرست میں تقریباً ۳۰۴ نام شامل ہیں، جن کے قتل سے اہل مدینہ اور اہل بیت کی ایک بڑی تعداد متاثر ہوئی۔

یہ فہرست امام خلیفہ بن خیّاط کی تاریخ میں درج ہے اور واقعہ حرہ کی سنگینی و ظلم و ستم کو واضح کرتی ہے۔

حوالہ: تاریخ خلیفہ بن خیّاط، صفحات ۲۴۰–۲۵۱

واقعہ حرہ: ظلم و ستم اور اہل مدینہ کی قربانی

واقعہ حرہ یزید بن معاویہ کے دور کا ایک المناک اور خونریز واقعہ ہے۔ ۶۱ ہجری میں یزید کی فوج نے مدینہ پر حملہ کیا، جس میں نہ صرف صحابہ اور تابعین بلکہ اہل مدینہ کی عوام کو شدید نقصان پہنچا۔

یہ واقعہ تاریخی طور پر "حرہ" کے نام سے جانا جاتا ہے، کیونکہ فوج نے مدینہ کے مشرقی حصے میں حرہ میں پڑاؤ ڈالا اور یہاں سے حملہ کیا۔

یزید کی فوج میں شام اور مصر کے غیر مسلم عسکری دستے بھی شامل تھے، جنہیں حکومتی معاملات میں سابقہ دور سے شامل کیا گیا تھا۔

فوجیوں کو تین دن کے لیے مدینہ "حلال" قرار دیا گیا تاکہ وہ مسلمانوں کی زمین، گھروں، اور حتیٰ کہ مسجد نبوی میں بھی گھوڑے باندھ کر ویرانی مچا سکیں۔

اس دوران صحابہ، تابعین اور اہل بیت کی خواتین و بچوں کے ساتھ شدید ظلم ہوا۔ ابن کثیر کی تاریخ کے مطابق،

اس حملے کے نتیجے میں ۷۰۰ اشرافیہ اور تقریباً ۱۰ ہزار عام لوگ قتل یا زخمی ہوئے، اور کئی خواتین کی عصمت بھی متاثر ہوئی۔

انس بن مالک اور زید بن ارقم جیسے بزرگ صحابہ نے اس واقعے پر شدید افسوس کا اظہار کیا۔

انس بن مالک فرماتے ہیں کہ وہ اس ظلم کو سن کر افسردہ اور غمگین ہو گئے۔ زید بن ارقم نے بصرہ سے انس بن مالک کو لکھا اور تسلی دی کہ اللہ تعالی نے مسلمانوں کی مغفرت کا وعدہ فرمایا ہے اور وہ صبر کریں۔

واقعہ حرہ کے مقتولین

امام خلیفہ بن خیّاط نے اپنی تاریخ میں اہل مدینہ کے صحابہ اور تابعین کے قتلِ عام کی فہرست درج کی ہے۔

مقتولین میں مختلف قبائل اور خاندان شامل تھے، جیسے بنی ہاشم، قریش، بنی سلیم، بنی نوفل، بنی زہرة، بنی مخزوم، اور دیگر حلیف قبائل۔ چند نام درج ذیل ہیں:

اہل ہاشم و قریش:

ابو بکر بن عبد اللہ بن جعفر

الفضل بن عباس بن ربیعہ

عبد اللہ بن نوفل بن الحارث

عباس بن عتبة

حلیف قبائل اور بنی سلیم:

سلیمان بن صفوان بن عباد

الاسود بن عباد

عتبة بن معبد

محمد بن عقبہ بن دبیہ

اہل انصار و دیگر قبائل:

عبد اللہ بن حنظلہ اور سات بیٹے

عبد الرحمن

الحارث

یحییٰ

عیسیٰ بن عبد الرحمن بن یزید

عمرو بن سوید

یہ فہرست ۳۰۴ ناموں پر مشتمل ہے، جو امام خلیفہ بن خیّاط کی تاریخ میں صفحات ۲۴۰–۲۵۱ میں درج ہیں۔

اثرات اور تاریخی اہمیت

واقعہ حرہ نے مدینہ کے مسلمانوں پر گہرا اثر چھوڑا۔ اہل بیت اور صحابہ کی قربانی نے اسلام کے اصولوں کی حفاظت اور مظلومیت کی داستان قائم کی۔

یہ واقعہ نہ صرف ظلم و ستم کی ایک مثال ہے بلکہ مسلمانوں کے صبر، استقامت اور ایمان کی آزمائش بھی ہے۔

"جب اہل مدینہ یزید (بن معاویہ) کے پاس سے واپس آئے تو عبد اللہ بن مطیع اور ان کے ساتھی حنفیہ کے پاس آئے اور یہ خواہش ظاہر کی کہ وہ یزید کی بیعت توڑ دیں لیکن محمد بن حنفیہ نے ان کی بات سے انکار کر دیا۔ تو عبد اللہ بن مطیع نے کہا:

یزید شراب پیتا ہے نماز چھوڑتا ہے اور کتاب اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کرتا ہے:

تو محمد بن حنفیہ نے کہا کہ میں نے تو اس میں ایسا کچھ نہیں دیکھا جیسا کہ تم کہہ رہے ہو، جبکہ میں اس کے پاس جا چکا ہوں اور اس کے ساتھ قیام کر چکا ہوں۔

میں نے اس دوران میں اسے نماز کا پابند خیر کا متلاشی علم دین کا طالب اور سنت کا ہمیشہ پاسدار پایا۔ تو لوگوں نے کہا: یزید ایسا آپ کو دکھانے کے لیے کر رہا تھا۔" الخ (البدایہ والنہایہ 8 / 233، تاریخ الاسلام للذہبی 5 / 274)

جب صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرما رہے ہیں کہ یزید شرابی ہے اور نمازیں بھی ترک کر دیتا ہے تو صحابی کے مقابلے میں تابعی کی بات کون سنتا ہے؟

دوسرے یہ کہ صحابی کی بات میں اثبات ہے اور تابعی کی بات میں نفی ہے اور مشہور اصول ہے کہ نفی پر اثبات مقدم ہوتا ہے۔

یہ موقف سنابلی کا ہے، جس میں وہ اس روایت کو صحیح قرار دینے کی کوشش کرتے ہیں، اور یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ابن کثیر اور ذہبی نے یہ روایت امام مدائنی سے سند کے ساتھ نقل کی ہے۔

لیکن

اصل کتابوں میں سند موجود نہیں: حافظ ابن کثیر (701ھ) اور حافظ ذہبی (673ھ) نے ابو الحسن علی بن عبد اللہ المدائنی (وفات 224ھ) سے روایت نقل کی ہے، مگر دونوں نے مدائنی کی اصل کتاب اور سند ذکر نہیں کی۔

روایت منقطع ہے: چونکہ ابن کثیر اور ذہبی نے صرف مدائنی سے ذکر کیا، لیکن سند کے ساتھ نہیں، اس لیے یہ روایت سخت منقطع (بے سند) اور مردود ہے۔

صحابی کی نظر مقدم: عبد اللہ بن مطیع رضی اللہ عنہ صحابی ہیں، جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا اور ان کے لیے برکت کی دعا فرمائی۔

تابعی محمد بن حنفیہ کی نفی کی بات، صحابی کے اثبات کے مقابلے میں کسی طور بھی قابل اعتماد نہیں۔

اصولی طور پر نفی پر اثبات مقدم نہیں، یعنی تابعی کی نفی صحابی کے اثبات کے خلاف نہیں چل سکتی۔

اصل معاملہ یہ ہے:

روایت کی سند: جیسا کہ ہم نے پہلے دیکھا، یہ روایت منقطع (بے سند) ہے، اور اس کا کوئی مستند سلسلہ نہیں ملتا۔

صحابی اور تابعی کا موقف: عبد اللہ بن مطیع رضی اللہ عنہ صحابی ہیں، اور ان کی گواہی تابعی محمد بن حنفیہ کے دعوے کے مقابلے میں برتر ہے، کیونکہ اصولِ علمِ حدیث یہ ہے کہ اثبات پر نفی مقدم ہوتی ہے۔

سنابلی کا موقف: کفایت اللہ سنابلی یا سنابلی فقہاء اس روایت کو صحیح قرار دینے کی کوشش کرتے ہیں، شاید یہ علم نہیں کہ اگر یہ روایت صحیح مان لی جائے تو یزید بن معاویہ کا شرابی، فاسق فاجر اور نماز چھوڑنے والا ہونا واضح ہو جائے گا، اور اس کے ساتھ ساتھ صحابی کی گواہی کے اصول بھی ٹوٹ جائیں گے۔

ذہبی اور زبیر علی زئی رحمۃ اللہ کا موقف:

یہ روایت ضعیف قرار دی گئی، اور یہی موقف علمی لحاظ سے مضبوط ہے۔

یعنی سادہ لفظوں میں، سنابلی کا یہ موقف غلط اور غیر مستند ہے، اور علمی و اصولی طور پر اس کو قبول نہیں کیا جا سکتا۔

عبد اللہ بن مطیع اور محمد بن حنفیہ کے درمیان یزید کی بیعت کے متعلق روایت (البدایہ والنہایہ 8/233، تاریخ الاسلام للذہبی 5/274)

سند کی حیثیت

منقطع و بے سند؛ حافظ ابن کثیر اور ذہبی نے اسے صرف مدائنی سے نقل کیا، مگر سند فراہم نہیں کی۔

صحابی کا موقف (عبد اللہ بن مطیع)

یزید شراب پیتا، نماز چھوڑتا اور کتاب اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کرتا ہے۔ (صحابی کی گواہی برتر اور مستند)

تابعی کا موقف (محمد بن حنفیہ)

یزید کے پاس قیام کر چکے، اسے نماز پابند اور نیک پایا۔ (تابعی کی گواہی ثبوت میں ضعیف)

اصولی قاعدہ

اثبات پر نفی مقدم؛ صحابی کی گواہی تابعی کے مقابلے میں ترجیح رکھتی ہے۔

سنابلی کا موقف

روایت کو صحیح ماننے کی کوشش؛ ممکنہ وجہ: سند کے معیار اور تاریخی اثرات کا ادراک نہ ہونا۔

زبیدہ علی زئی رحمۃ اللہ علیہ کا موقف

روایت ضعیف؛ اسے قبول نہیں کیا جا سکتا۔

یزید بن معاویہ: تاریخی اور حدیثی حقائق

حدیث نبوی ﷺ میں یزید کا ذکر:

سیدنا ابو عبیدہ اور ابو الدرداء رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

"میری امت کا معاملہ عدل کے ساتھ قائم رہے گا، یہاں تک کہ سب سے پہلے اس میں رخنہ ڈالنے والا بنی امیہ کا ایک شخص ہو گا جس کو یزید کہا جائے گا۔"

اس روایت کو امام ابن کثیر، ابن حجر مکی ہیتمی اور دیگر محدثین نے نقل کیا ہے۔

اہل مدینہ کی مخالفت:

حضرت عبد اللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہما نے اہل مدینہ سے بیعت لی کہ وہ یزید کی اطاعت نہ کریں۔

اہل مدینہ کی جانب سے یزید کی بیعت توڑنے کے بعد وہ مدینہ پر لشکر بھیجتا ہے، جس نے تین دن تک شہر میں قتل وغارت کی۔

اہل مدینہ پر ظلم کا عذاب:

حدیث مسند احمد اور مسند المدنیین میں بیان ہوا:

"جو اہل مدینہ کو ظلم اور خوفزدگی میں مبتلا کرے، اللہ اور فرشتے اور تمام لوگ اس پر لعنت کریں گے۔"

علماء کی رائے:

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے کسی کو یزید کو امیر المؤمنین کہنے پر سزا دی، جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے تہذیب التہذیب میں ذکر کیا۔

اہل مدینہ کے خلاف ظلم اور تاریخی واقعات کی بنیاد پر یزید کی حکومت کی مخالفت مستند ہے۔

صرف وہ حقائق شامل کیے گئے ہیں جو تاریخی اور حدیثی مصادر میں واضح ہیں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کے خط، وہ ابن الاثیر کی الکامل فی التاریخ (ج2، ص194) اور یعقوب بن سفیان کی المعرفۃ والتاریخ میں موجود ہے۔ یہ خط واقعۂ کربلا کے بعد یزید کو لکھا گیا، اور اس میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے نہایت سخت انداز میں یزید کو جواب دیا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کا خط یزید کے نام

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے واقعہ کربلا کے بعد یزید کو خط لکھا، جسے ابن الاثیر نے اپنی کتاب الکامل فی التاریخ میں ذکر کیا ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے لکھا:

"تمہارا خط ملا۔ رہا میرا ابن زبیر کی بیعت نہ کرنا تو جان لو، میں اس کے ذریعے تمہاری خوشنودی یا تعریف کا خواہاں نہیں ہوں۔ بلکہ میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔ اور یہ بھی جانتا ہوں کہ تم اس قتل (حسین رضی اللہ عنہ کے) سے بری نہیں ہو۔

تم چاہتے ہو کہ میں تمہارے قریب ترین ہو جاؤں اور ابن زبیر کا بدترین دشمن، لیکن یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ تم چاہتے ہو کہ میں تم سے اچھے تعلقات رکھوں جبکہ تم حسین رضی اللہ عنہ اور عبد المطلب کے بیٹوں کے قتل میں شریک ہو۔ وہ ہدایت کے چراغ اور عظیم شخصیات تھے۔

تمہارے حکم پر ان کی لاشوں پر گھوڑے دوڑائے گئے، ان کو بھوکا پیاسا شہید کیا گیا، کفن سے محروم کر کے خاک و خون میں گھسیٹا گیا۔ پھر اللہ نے ایک قوم کو توفیق دی جنہوں نے انہیں کفن دیا۔

تم نے ہمیں دھوکہ دیا اور حکومت پر قبضہ کیا۔ جان لو! میں تمہارا قریبی نہیں ہوں، کیونکہ تم نے خاندانِ رسالت کو دھتکار دیا اور ان کی حرمتوں کو پامال کیا۔"

حوالہ:

الکامل فی التاریخ، ابن الاثیر، ج2، ص194

المعرفۃ والتاریخ، یعقوب بن سفیان

یزید کے خلاف تاریخی ثبوتوں کی فہرست میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ خط ایک نہایت اہم دستاویز ہے۔

یزید کے خلاف تاریخی ثبوت

واقعۂ کربلا (61ھ)

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اور اہل بیت کو شہید کیا گیا۔

یزید کا دربار

اسیری کے بعد اہلِ بیت کو شام کے دربار میں پیش کیا گیا اور ان کی بے حرمتی کی گئی۔

واقعۂ حرّہ (63ھ)

مدینہ پر حملہ ہوا، ہزاروں افراد شہید ہوئے اور تین دن تک شہر کو لوٹنے کی اجازت دی گئی۔

کعبہ پر حملہ (64ھ)

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے خلاف جنگ میں منجنیقوں سے خانہ کعبہ کو نقصان پہنچایا گیا۔

سیدنا عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہ کا بیان

انہوں نے کہا: "ہم نے یزید کے خلاف قیام اس لیے کیا کہ وہ شراب پیتا ہے، نماز چھوڑتا ہے اور بدکاری کو حلال سمجھتا ہے۔" (طبقات ابن سعد 5/66)

حسن بصری رحمہ اللہ کا قول

"یزید شراب نوش، ریشم پہننے والا اور گانے بجانے والا تھا۔" (الکامل لابن اثیر، حوادث 61ھ)

اہل مدینہ کا وفد

یزید کے پاس گیا، واپسی پر سب نے اس کی بدکاریوں کا ذکر کیا اور مدینہ میں بیعت توڑ دی۔ (البدایہ والنہایہ 262/6)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی دعا

"اے اللہ! مجھے سن 60 ہجری اور لڑکوں کی حکمرانی نہ دکھا۔" (مصنف ابن ابی شیبہ)

اور سن 60 ہجری میں یزید ہی حکمران بنا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کا خط

قتلِ حسین رضی اللہ عنہ کے بعد یزید کو لکھا:

"میں تمہیں معاف نہیں کر سکتا، کیونکہ تم حسین اور عبد المطلب کے بیٹوں کے قتل میں ملوث ہو، تم نے خاندانِ رسالت کی حرمت پامال کی، لہٰذا میں تمہارا قریب نہیں ہو سکتا۔" (الکامل لابن اثیر 2/194)

یہ فہرست یزید کی بدکرداری اور امت پر اس کے مظالم کے مستند تاریخی شواہد پیش کرتی ہے۔

یزید کے خلاف تاریخی شواہد (مستند حوالہ جات کے ساتھ)

1. واقعۂ کربلا (61ھ)

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اور اہل بیت شہید کیے گئے۔

تاریخ الطبری، ج4، ص313

البدایہ والنہایہ ابن کثیر، ج8، ص190

2. یزید کا دربار (شام)

اہل بیت کے قیدی یزید کے دربار میں لائے گئے، اور ان کے ساتھ گستاخانہ سلوک ہوا۔

تاریخ الطبری، ج4، ص349

البدایہ والنہایہ، ج8، ص208

3. واقعۂ حرّہ (63ھ)

مدینہ پر لشکر کشی، تین دن کے لیے مدینہ کو حلال کر دیا گیا، ہزاروں شہید ہوئے۔

البدایہ والنہایہ، ج8، ص241

الکامل فی التاریخ ابن اثیر، ج3، ص302

4. کعبہ پر حملہ (64ھ)

منجنیقوں سے خانہ کعبہ کو نقصان پہنچایا گیا۔

تاریخ الطبری، ج4، ص370

الکامل فی التاریخ، ج3، ص310

5. عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہ کا بیان

"یزید شراب پیتا ہے، نماز چھوڑتا ہے، بدکاری کو جائز کرتا ہے۔"

طبقات ابن سعد، ج5، ص66

6. حسن بصری رحمہ اللہ کا قول

"یزید نشے میں ڈوبا رہتا، ریشم پہنتا اور گانے بجاتا تھا۔"

الکامل فی التاریخ، ج3، ص310

7. اہل مدینہ کا وفد

یزید کے پاس گیا، واپسی پر سب نے اس کی بدکرداری کا ذکر کیا، اور منبر نبوی پر بیعت توڑ دی۔

البدایہ والنہایہ، ج8، ص262

8. ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی دعا

"اے اللہ! مجھے سن 60 ہجری اور لڑکوں کی حکمرانی نہ دکھا۔"

مصنف ابن ابی شیبہ، رقم 38538

فتح الباری ابن حجر، ج 13، ص 9

9. ابن عباس رضی اللہ عنہما کا خط یزید کے نام

"میں تمہیں قریب نہیں مان سکتا کیونکہ تم حسین رضی اللہ عنہ اور عبد المطلب کے بیٹوں کے قتل میں ملوث ہو، اور تم نے خاندان رسالت کی حرمت پامال کی۔"

الکامل فی التاریخ ابن اثیر، ج 2، ص 194

اہم نکات اس واقعہ کے بارے میں:

اہلِ مکہ کی بیعت:

اہلِ مکہ نے تقریباً متفقہ طور پر حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی بیعت کی۔

صرف چند افراد نے بیعت سے انکار کیا (جیسا کہ بعض روایات میں "دو یا چند لوگ" کا ذکر ہے)۔

حوالہ: تاریخ طبری، ج 4، ص 365

حوالہ: البدایہ والنہایہ ابن کثیر، ج8، ص252

نعمان بن بشیر اور ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی گفتگو:

نعمان بن بشیر (اس وقت کوفہ کے گورنر) نرمی کے ساتھ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو یزید کی بیعت پر آمادہ کرنے آئے۔

ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا:

"میرا اور یزید کا نسب، شرف، اخلاق اور کردار میں کوئی مقابلہ ہے؟"

اس پر نعمان بن بشیر خاموش ہو گئے اور کہہ دیا کہ: "اب میں آپ کو اس بات کے لیے نہیں کہوں گا۔"

حوالہ: الکامل فی التاریخ ابن اثیر، ج3، ص311

یزید کا ردِ عمل:

یزید نے نعمان بن بشیر کو معزول کر کے عبید اللہ بن زیاد کو دوبارہ عراق کی گورنری دی۔

ابن زیاد ہی نے بعد میں کربلا میں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے خلاف لشکر بھیجا۔

حوالہ: تاریخ طبری، ج4، ص366

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ یزید کے سب سے بڑے مخالف بن گئے۔ اہلِ مکہ نے ان کی بیعت کر لی اور یہ بیعت بعد میں پورے عالمِ اسلام میں یزید کی خلافت کے متوازی ایک بڑی بغاوت بن گئی۔

یزید کی مخالفت میں مکہ، مدینہ اور عراق تینوں علاقوں میں بغاوتیں پھوٹ پڑیں۔

واقعہ حَرّہ اور اس کے بعد کے حالات

پس منظر

کربلا (61ھ) کے سانحہ کے بعد مسلمانوں کے دل یزید کے خلاف بھر گئے۔

اہلِ مدینہ نے بھی یزید کی بیعت توڑ دی اور عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو مکہ میں خلیفہ تسلیم کر لیا۔

البتہ دو شخصیات — عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ — نے بیعت نہیں کی، لیکن ان سے زبردستی بھی نہیں کی گئی۔

یہ بنو امیہ کے دور کی ایک بڑی تبدیلی تھی کہ یہاں اختلاف رکھنے والے کو تلوار کے زور پر قتل نہیں کیا گیا۔

حوالہ: البدایہ والنہایہ (8/235)، الکامل فی التاریخ لابن الاثیر (3/307)

یزید کا اقدام

یزید نے اہلِ مدینہ کی بغاوت دبانے کے لیے مسلم بن عقبہ کی قیادت میں ایک لشکر روانہ کیا۔

مسلم بن عقبہ کو اہلِ مدینہ "مُسرِف" (یعنی حد سے بڑھنے والا) کہا کرتے تھے کیونکہ اس نے مدینہ میں سخت قتل و غارت کی۔

اس لشکر نے ذوالحجہ 63ھ میں مدینہ پر حملہ کیا اور مشہور سانحہ واقعہ حَرّہ پیش آیا، جس میں بے شمار مسلمانوں کا خون بہایا گیا۔

حوالہ: تاریخ طبری (5/480)، البدایہ والنہایہ (8/239)

رسول اللہ ﷺ کی پیشین گوئی

رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کے بارے میں فرمایا تھا:

"جو شخص اہلِ مدینہ پر ظلم کرے گا، اللہ اسے ایسے پگھلائے گا جیسے سیسہ پگھلایا جاتا ہے۔"

صحیح بخاری (1877)، صحیح مسلم (1383)

یہ بشارت واقعہ حَرَّہ میں کچھ حد تک پوری ہوئی، کیونکہ مسلم بن عقبہ مدینہ سے نکلنے کے بعد مکہ جاتے ہوئے راستے ہی میں شدید بیمار ہو کر مر گیا اور اپنی فوج کی قیادت حصین بن نمیر کے حوالے کر گیا۔

مسلم بن عقبہ کی آخری بات

مؤرخین لکھتے ہیں کہ مرنے سے پہلے مسلم بن عقبہ نے کہا:

"مجھے تین باتوں کی امید ہے کہ ان کی وجہ سے میرا بیڑا پار ہو گا:

1- اللہ پر ایمان

2- رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی تصدیق

3- مدینہ کا قتلِ عام"

(یہ اس کی گمراہی اور بد فہمی کی انتہا تھی، کیونکہ نبی ﷺ نے تو ایک مسلمان کا ناحق قتل کعبہ کے منہدم کرنے سے بھی بڑا جرم قرار دیا ہے۔)

الکامل فی التاریخ (3/310)، البدایہ والنہایہ (8/239)

حصین بن نمیر کا مکہ پر حملہ

مسلم بن عقبہ کے مرنے کے بعد لشکر کی قیادت حصین بن نمیر کے ہاتھ میں آگئی۔

یہ لشکر محرم 64ھ میں مکہ مکرمہ پہنچا اور سیدنا عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کیا۔

یہ وہی معرکہ ہے جس میں کعبہ پر منجنیق کے پتھر برسائے گئے اور اس کا ایک حصہ جل گیا۔

تاریخ طبری (5/489)، البدایہ والنہایہ (8/247)

61ھ: کربلا کا سانحہ

63ھ: واقعہ حَرَّہ (مدینہ کا قتلِ عام) ← مسلم بن عقبہ کی قیادت

64ھ: مسلم بن عقبہ کی موت، حصین بن نمیر کی قیادت، مکہ پر حملہ، کعبہ کو نقصان

یہ سب واقعات یزید کی خلافت پر ایک سیاہ داغ ہیں، اور امت میں فتنہ و فساد کی بڑی وجوہات بنے۔

مکہ کا محاصرہ اور یزید کی موت

حصین بن نمیر کا محاصرہ

واقعہ حرَّہ (63ھ) کے بعد یزید کے حکم پر حصین بن نمیر نے لشکر کے ساتھ مکہ کا رخ کیا۔ مقصد یہ تھا کہ سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو یزید کی بیعت پر مجبور کیا جائے۔

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے مکہ مکرمہ کے حرم میں پناہ لی اور وہاں سے اپنا دفاع کیا، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ حرم کی حرمت کی وجہ سے حملہ نہیں کیا جائے گا۔

لیکن حصین بن نمیر نے شدت اختیار کی اور منجنیق کے ذریعے حملے شروع کیے۔

اس دوران خانہ کعبہ کی دیوار کو نقصان پہنچا اور اس کے پردے میں آگ لگ گئی۔

حوالہ: تاریخ طبری (5/489)، البدایہ والنہایہ (8/247)

یزید کی موت

اسی دوران اچانک خبر پہنچی کہ یزید بن معاویہ کی ربیع الاول 64ھ میں موت ہو گئی ہے۔

یزید کی موت کے بعد بنو امیہ میں فوری طور پر قیادت کا فقدان پیدا ہو گیا۔

حصین بن نمیر نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو بار بار یزید کی بیعت پر مجبور کرنے کی کوشش کی، لیکن جب یزید کی موت کی خبر ملی تو معاملہ یکسر بدل گیا۔

حوالہ: الکامل فی التاریخ (3/310)، تاریخ خلیفہ بن خیاط (ص254)

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا موقف

یزید کی موت کی خبر سن کر سیدنا عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا:

"اب تمہارا سردار مر گیا، جاؤ اور دیکھو کہ تمہارے لیے اب کون بچا ہے۔"

حصین بن نمیر نے صلح کی پیشکش کی جسے عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے قبول کیا۔

اس نے یہاں تک کہا کہ آپ شام تشریف لائیں اور خلافت کا دعویٰ کریں، لیکن عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"ہم حجاز ہی میں رہیں گے۔"

حوالہ: البدایہ والنہایہ (248/8)، تاریخ طبری (491/5)

عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے حجاز میں رہ کر خلافت کا اعلان کیا اور عملی طور پر پورے اسلامی خطے کے بڑے حصے پر ان کی حکومت قائم ہو گئی۔

یزید کی موت کے بعد خلافت کا بحران

یزید کی موت اور جانشینی

یزید بن معاویہ کی وفات ربیع الاول 64ھ میں ہوئی۔ اس وقت اس کی عمر تقریباً 38 برس تھی۔

اس کے بعد بنو امیہ نے اس کے بیٹے معاویہ بن یزید (جسے بعض کتب میں معاویہ الثانی کہا جاتا ہے) کو خلافت پر بٹھایا۔ اس کی عمر اس وقت صرف 21 برس تھی۔

حوالہ: الکامل فی التاریخ (310/3)، تاریخ طبری (492/5)

معاویہ بن یزید کا رویہ

معاویہ بن یزید ایک نیک اور عبادت گزار نوجوان تھا۔ وہ اپنے والد یزید اور دادا معاویہ کے بعض اقدامات خصوصاً واقعہ کربلا، واقعہ حَرَّہ اور کعبہ پر حملے سے سخت دل گرفتہ تھا۔

اس نے خطبہ دیتے ہوئے واضح کیا کہ:

"میں نہ تو خلافت کا بوجھ اٹھا سکتا ہوں اور نہ اپنے باپ دادا کے ان اعمال کا جواب دہ بن سکتا ہوں۔"

تقریباً چالیس دن بعد خلافت سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔

اسی غم و کرب کی حالت میں کچھ ہی عرصے بعد (90 دن کے اندر) اس کا انتقال ہو گیا۔ بعض مورخین کے مطابق اسے زہر بھی دیا گیا۔

حوالہ: ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ (3/310)، ابن کثیر، البدایہ والنہایہ (8/249)

خلافت کا خلا اور عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ

معاویہ بن یزید کے انتقال کے بعد بنو امیہ میں قیادت کا خلا پیدا ہو گیا۔ اس صورتحال میں سیدنا عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو اپنے دائرہ اقتدار کو وسعت دینے کا موقع ملا:

اہل حجاز (مکہ، مدینہ، یمن) نے ان کی بیعت کر لی۔

عراق (کوفہ و بصرہ) میں بھی ان کی بیعت ہو گئی۔

شام میں اگرچہ بنو امیہ کے اثرات باقی تھے، لیکن کچھ وقت کے لیے وہاں بھی ان کا اثر قائم رہا۔

حوالہ: تاریخ طبری (5/493)، البدایہ والنہایہ (8/250)

یزید کے انتقال کے بعد اس کا بیٹا معاویہ بن یزید خلافت پر آیا، مگر وہ اپنے والد اور دادا کے کارناموں سے شدید متاثر اور دل شکستہ تھا۔

اس نے خلافت سے علیحدگی اختیار کر لی اور جلد ہی وفات پا گیا۔ اس کے بعد خلافت کا بحران بنو امیہ کے لیے سنگین ہو گیا اور یہی وہ موقع تھا جب سیدنا عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے عملاً بڑی سلطنت پر اپنی خلافت قائم کی۔

معاویہ بن یزید کی دستبرداری

یزید بن معاویہ کی وفات کے بعد اس کا بیٹا معاویہ بن یزید خلافت پر بیٹھا۔ مگر وہ اپنے والد اور دادا کے اعمال سے شدید دل شکستہ تھا۔ اس نے خطبہ دے کر کہا:

"ایسی خلافت جو اہل بیت کے قتل، مدینہ کی بے حرمتی اور خانہ کعبہ پر حملے کے نتیجے میں حاصل ہوئی ہو، ہمیں ایسی حکومت قبول نہیں۔"

چالیس دن کے بعد اس نے دوسرا خطبہ دیا:

"میں نے کوشش کی کہ مجھے کوئی ابو بکر صدیقؓ جیسا شخص مل جائے تو میں خلافت اس کے حوالے کر دوں، یا کوئی عمر فاروقؓ جیسا ہو تو اسے سپرد کر دوں، یا پھر مجھے کوئی شوریٰ جیسی جماعت مل جائے تو اختیار ان کے حوالے کر

دوں۔ لیکن میں نے کسی کو اس قابل نہیں پایا۔ اس لیے میں خلافت سے دستبردار ہوتا ہوں، تم جسے چاہو اپنا خلیفہ بنالو۔"

حوالہ: تاریخ طبری (5/493)، البدایہ والنہایہ (8/249)

معاویہ بن یزید کے دل شکستہ ہونے کی وجوہات

معاویہ بن یزید اپنے باپ دادا کے کئی اقدامات کو ناپسند کرتا تھا، ان میں سے نمایاں یہ ہیں:

معاویہ کے دور کے اقدامات

خلیفۂ وقت سیدنا علیؓ کے خلاف بغاوت اور ان کی معزولی کو نہ ماننا۔

سیدنا عمار بن یاسرؓ کی شہادت، جن کے بارے میں نبی ﷺ نے فرمایا تھا:

"عمار کو ایک باغی جماعت قتل کرے گی، وہ انہیں جنت کی طرف بلائے گا اور وہ انہیں آگ کی طرف بلائیں گے۔"

(صحیح بخاری 447، صحیح مسلم 2915)

یزید کو ولی عہد مقرر کرنا۔

اہل بیت پر سبّ و شتم کی پالیسی۔

سیدنا حجر بن عدی اور ان کے ساتھیوں کا قتل۔

زیاد بن ابیہ کو اپنا بھائی قرار دینا۔

یزید کے دور کے اقدامات

سیدنا حسینؓ اور اہل بیت کا قتل (واقعہ کربلا 61ھ)۔

مدینہ پر حملہ اور اہل مدینہ کی بے حرمتی (واقعہ حَرَّہ 63ھ)۔

خانہ کعبہ پر منجنیقوں سے حملہ اور اس کی بے حرمتی۔

یہ وہ ناپاک اعمال تھے جن کی وجہ سے معاویہ بن یزید نے اعلان کیا کہ:

"اگر ایسی حکومت ملتی ہے تو ہم اس سے اللہ کے حضور معافی مانگتے ہیں۔"

حوالہ: الکامل فی التاریخ (3/310)، البدایہ والنہایہ (8/250)

معاویہ بن یزید کا تاریخی خطبہ — اردو ترجمہ (مؤرخین کے متن کے مطابق)

مقدمہ:

یہ خطبہ معاویہ بن یزید (یزید بن معاویہ کا بیٹا) کی طرف منسوب ہے۔ مؤرخین نے بعض کتب میں اسی عبارت کو نقل کیا ہے (مثلاً علامہ دمیری کی حیوۃ الحیوان میں حوالہ کے ساتھ، اور ابنِ اثیر، الصواعق وغیرہ میں اقتباسات ملتے ہیں)۔ ذیل میں اصل عبارت کے مفہومی اردو ترجمہ کو رکھا جا رہا ہے، جوں کا توں معنی برقرار رکھتے ہوئے — تاکہ قاری جان سکے مصنف نے اصل میں کیا کہا یا لکھا تھا۔

اردو ترجمہِ خطبہ

پھر اس کے بعد امور (خلافت) پر اس کا بیٹا معاویہ مقرر کیا گیا—جو اپنے باپ سے بہتر تھا، دیندار اور با عقل تھا۔ جب اس کے باپ کی موت ہوئی تو اس کی خلافت کی بیعت اس نے قبول کی اور وہ چالیس دن (یا چند روایات کے مطابق پانچ ماہ اور چند دن)

تک بر سرِ اقتدار رہا۔ پھر اس نے خود اپنی منصبِ خلافت سے کنارہ کشی اختیار کی۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ جب معاویہ نے اپنی دستبرداری کا اعلان کیا تو وہ منبر پر چڑھا، کافی دیر بیٹھا، پھر اللہ کی خوب حمد و ثنا کی اور پھر نبی کریم ﷺ کا خوبصورت ذکر کیا، پھر فرمایا:

اے لوگو! میں تمہارا امیر بننے کا خواہش مند نہیں ہوں—میں تم میں سے نفرت پانے والا ہوں اور مجھے معلوم ہے تم بھی ہم سے نفرت رکھتے ہو، کیوں کہ ہم تمہارے لیے آزمائش ہیں اور تم بھی ہمارے لیے آزمائش ہو۔

میرے دادا معاویہ نے منصبِ خلافت کے سلسلے میں اس حق کے صاحب سے جھگڑا کیا جو اس سے زیادہ اس کا ثقة دار تھا—اور وہ وہی شخص تھا جو رسولِ خدا ﷺ سے قربت، فضیلت اور سابقیت میں سر فہرست تھا: یعنی علی بن ابی طالب—

وہ سب مہاجرین میں سب سے بلند مرتبہ، سب سے بہادر دل، علم و ایمان میں ممتاز، نبی ﷺ کے قریبی اور ان کے قدیم رفقا میں سے تھا؛ اور اسی وجہ سے اس کی نسبت اور اس کے فضائل اقتدار میں فوقیت رکھتے تھے۔

میر ادادا (معاویہ) اسی معاملے میں جھگڑا کرنے میں شامل رہا اور جو تم جانتے ہو وہ رویّے اس نے اپنائے—جب موت نے اسے ڈھونڈا تو وہ اپنے اعمال کے عوض قبر میں اپنا انجام دیکھ بیٹھا۔

پھر خلافت میرے باپ یزید کو منتقل ہوئی، اور میرا باپ اس منصب کے لائق نہ تھا؛ اس نے اپنی نفسانی رغبتوں کو اپنایا، اور جس بے باکی کے ساتھ اس نے اہلِ بیتِ رسول ﷺ کی حرمتیں پامال کیں، اس کا انجام وہی ہوا جو آپ سب نے دیکھا—

اس کی مدتِ حکومت مختصر رہی، اس کے عمل اس کے لئے زنجیر بن گئے اور وہ اپنے گناہوں کا گرواں بن کے قبر میں چلا گیا۔ (وہ پشیمان ہوا مگر پشیمانی بے سود تھی)—اس کے جرم اور اس کے اثرات باقی رہ گئے اور اس کی سزا کا انجام معلوم نہیں بلکہ اللہ ہی بہتر جاننے والا ہے۔

پھر اس نے طویل قیام کے بعد فرمایا: مجھے یہ مقام سنبھالنا مشکل ہے—میں تمہارے بوجھ (گناہوں) کو اپنے سینے پر نہیں رکھ سکتا۔ تم اپنا معاملہ خود سنبھالو، جسے چاہو اسے اپنا امیر بنالو—میں نے اپنی بیعت تمہارے گلے سے اتار رکھی ہے، والسلام۔

یہ سن کر مروان بن حکم (جو منبر کے نیچے بیٹھا تھا) نے عرض کیا: اے ابو لیلیٰ! تم مجھے (کسی) دین کی ضمانت دے دو تاکہ میں تمہارا فریب نہ کھاؤں؛ اور تمہارا موقف بتاتے ہوئے کہا کہ مجھے ایسے لوگ چاہیے جو عمر بن الخطاب جیسے ہوں—یعنی عدل و دیانت و شوریٰ کے حامل—

کیونکہ جب خلافت کو ایک چھ جماعتی یا شوریٰ تک محدود کر دیا جاتا تو یہ بہتر ہوتا۔ معاویہ نے جواباً کہا کہ اس کا باپ (یزید) نے وہی حاصل کیا جس کا حاصل تھا: یعنی دنیا بھی حاصل کر لی اور ثواب بھی کم میں ملا، اور گناہ و جرمانے بھی اس کے حصے میں آئے۔

(مختصراً: اس نے باپ و دادا کے اعمال کی مذمت کی، اپنی نااہلی کا اقرار کیا، بیعت اتاری اور واپس چلا گیا۔)

مروان اور دیگر رشتہ دار آئے تو انہوں نے اسے روتا پایا؛ اس کی والدہ نے کہا: کاش تم زندہ نہ ہوتے تو مجھے یہ خبر نہ سننی پڑتی۔

(معاویہ نے کہا: اللہ مجھ پر رحم نہ کرے تو میرا انجام برا ہو گا)۔ پھر بنو امیہ نے الزام لگایا کہ تمہارے استاد (عمر المقصوص) نے تمہیں یہ سب سکھایا اور خلافت سے نفرت دلائی

استاد نے ان کا دفاع کیا کہ یہ سب اس کی طبیعت و جبلت میں ہے، یعنی اس میں علی سے محبت فطری طور پر ہے۔ پھر (بعض روایت کے مطابق) اس استاد کو گرفتار کر کے زندہ دفن کر دیا گیا۔

معاویہ بن یزید چند دنوں (چالیس یا ستر دن) کے بعد انتقال کر گیا۔ مختلف روایات میں اس کی عمر 18، 21 یا 23 سال بتائی گئی ہے اور کہا گیا کہ وہ بیٹا چھوڑے بغیر فوت ہوا۔

نوٹ برائے قراءت و حوالہ جات

یہ خطبہ اور اسی طرزِ تقریر کے اقتباسات مختلف تاریخی کتب میں ملتے ہیں۔ خاص حوالہ جات:

علامہ دمیری، حیوۃ الحیوان (ابن اثیر وغیرہ کے حوالہ سے نقل)

ابن اثیر، الکامل فی التاریخ (متعدد مقامات میں)

ابن حجر الہیثمی نے بھی الصواعق المحرّقہ میں اسی تاثر کا حوالہ دیا ہے۔

چند نقادوں اور مترجمین نے کہا کہ اردو تراجم میں بعض جگہ متن کی چھانٹی یا ترمیم ہوئی — اس لئے اصل عربی متن کا موازنہ ضروری ہے۔ یہ ایک جائز اور محتاط نقطۂ نظر ہے۔

تاریخی روایات میں بعض تفصیلات (مثلاً چالیس دن یا پچاس / ستر دن کا فرق، عمرِ معاویہ کا فرق، استاد کا انجام وغیرہ) مختلف کتب میں اختلافِ الفاظ کے ساتھ ملتی ہیں — یہ معمول کی بات ہے۔ اس لئے حوالوں کے ساتھ مطالعہ ضروری ہے۔

تاریخی متن کی صداقت، اسناد اور متونِ مختلفہ کی درجہ بندی میں اختلاف پایا جاتا ہے؛ بعض روایتیں مستند ہیں اور بعض کا معیار کمزور۔ تاریخی تنقید (isnad / matn criticism) اس معاملے میں کلیدی حیثیت رکھتی ہے۔

حوالہ جات

علامہ دمیری، حیوۃ الحیوان (حوالہ: خطبہ نقل) — (جس کا آپ نے متن دیا)

ابن اثیر، الکامل فی التاریخ (مراسلہ اور واقعاتِ 61–64 ہجری کے ضمن میں)

ابن حجر الہیثمی، الصواعق المحرّقہ (مصر طبع) — اقتباس کے ساتھ

دیگر متاخر طبعات و نقاد: آپ کے بھیجے ہوئے نوٹس میں ذکر شدہ اردو تراجم اور نقادانہ تبصرے

عربی متن یہاں پیش ہے:

ثُمّ قامَ بالامر بعده ابنه معاوية وكان خيرا من أبيه فيه دين و عقل بويع له بالخلافة

يوم موت أبيه فاقام فيها أربعين يوما وقيل اقام فيها خمسة أشهر و أياما وخلع نفسه

وذكر غير واحد ان معاوية بن يزيد لما خلع نفسه صعد المنبر فجلس طويلا

ثم حمدالله و اثنى عليه با بلغ ما يكون من الحمد والثناء ثم ذكر النبى صلى الله عليه و آله و سلم بأحسن ما يذكربه ثم قال :

يا أيها الناس ما انا بالراغب فى الائتما عليكم لعظيم ما اكرهه منكم و انى لاعلم انكم تكرهوننا أيضا لانابلينابكم و بليتم بنا الا ان جدى معاوية قد نازع فى هذا الامر من كان اولى به منه و من غيره لقرابته من رسول الله صلى الله عليه وآله و سلم وعظم فضله و سابقته اعظم المهاجرين قدرا و اشجعهم قلبا و اكثرهم علما و اولهم ايمانا و اشرفهم منزلة و اقدمهم صحبة ابن عم رسول الله صلى الله عليه و آله وسلم وصهرة و اخوه زوجه صلى الله علبه وآله وسلم ابنته فاطمة وجعله له لها بعلا باختياره لها وجعلها له زوجه باختيارها له أبو سبطيه سيدى شباب اهل الجنة و افضل هذه الامة تربية الرسول و ابنى فاطمة البتول من الشجرة الطيبة الطاهرة الزكية فركب جدى منه ما تعلمون و ركبتم معه ما لا تجهلون حتى انتظمت لجدى الامور فلما جائه القدر المحتوم و اخترمته ايدى المنون بقى مرتهنا

بعمله فريدا فى قبره و وجد ما قدمت يداه و راى ما ارتكبه و اعتداه . ثم انتقلت الخلافة الى يزيد ابى فتقلد امركم لهوى كان ابوه فيه ولقد كان ابى يزيد بسوء فعله

و اسرافه على نفسه غير خليق بالخلافة على امة محمد صلى الله عليه و آله وسلم فركب هواه واستحسن خطاه واقدم على ما اقدم من جرأته على الله وبغيه على من استحل حرمته من أولاد رسول الله صلى الله عليه و آله وسلم فقلت مدته و انقطع اثره و ضاجع عمله و صار حليف حفرته رهين خطيئته و بقى اوزاره و تبعاته

وحصل على ما قدم و ندم حيث لاينفعه الندم و شغلناالحزن له عن الحزن عليه فليت شعرى ماذا قال و ماذا قيل له هل عوقب باسائته و جوزى بعمله و ذالك ظنى ثم اختنقته العبرة فبكى طويلا وعلانحيبه ثم قال و صرت انا ثالث القوم و السا خط على اكثر من الراضى وماكنت لاتحمل آثامكم و لايرانى الله جلت قدرته متقلدا اوزاركم و القاه بتبعاتكم فشأنكم امركم فخذوه ومن رضيتم به عليكم فولوه فلقد خلعت بيعتى من اعناقكم والسلام .

فقال له مروان بن الحكم وكان تحت المنبر اسنة عمرية يا أبا ليلى ◉ فقال اغدعنى أعن دينى تخدعنى فوالله ما ذقت حلاوة خلافتكم فاتجرع مرارتها ائتنى برجال مثل رجال عمر على انه ما كان من حين جعلها شورى و صرفها عمن لايشك فى عدالته ظلوما والله لئن كانت الخلافة مغنما لقد نال ابى منها مغرما و مأثما و لئن كانت سوأ فحسبه منها ما أصابه . ثم نزل فدخل عليه اقاربه و امه فوجدوه يبكى◉ فقالت له امه ليتك كنت حيضة ولم اسمع بخبرك ◉ فقال وددت والله ذالك ثم قال ويلى ان لم يرحمنى ربى ثم ان بنى امية قالوا ◉ اموديه عمرالمقصوص انت علمته هذا و لقنته اباه وصددته عن الخلافة و زينت له حب على و أولاده و حملته على ما و سمنا به من الظلم و حسنت له البدع حتى نطق بما نطق و قال ما قال فقال والله ما فعلته ولكنه مجبول و مطبوع على حب على رضى الله تعالى عنه فلم يقبلوا منه ذالك واخذوه و دفنوه حيا حتى مات وتوفى معاوية بن يزيد رحمه الله بعد خلعه نفسه باربعين ليلة و قيل بسبعين ليلة و كان عمره ثلاثا و عشرين سنة و قيل احدى و عشرين سنة و قيل ثمانى عشرة و لم يعقب .

تاریخی مستند روایات کے مطابق:

حصین بن نمیر نے مکہ کا محاصرہ تقریباً 64 دن تک جاری رکھا اور اس دوران خانہ کعبہ پر منجنیق سے حملے بھی کیے گئے۔

اس محاصرہ کے دوران یزید کی وفات کی خبر مکہ پہنچی، جس کے بعد حصین بن نمیر نے محاصرہ ختم کیا اور شام واپس چلا گیا۔

حوالہ:

ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج8، ص126–128

ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج3، ص194–196

تاریخی مستند بیان (اردو) — مکہ کا محاصرہ اور یزید کی وفات:

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے خلاف بنو امیہ نے مکہ پر لشکر بھیجا۔ اس فوج کی قیادت حصین بن نمیر نے کی۔ وہ مکہ میں پہنچا اور خانۂ کعبہ پر منجنیق کے حملے سمیت شہر کا محاصرہ کیا،

جو تقریباً 64 دن تک جاری رہا۔

اس دوران یزید بن معاویہ کی وفات کی خبر مکہ پہنچی، جس کے بعد حصین بن نمیر نے محاصرہ ختم کر کے شام واپس روانہ ہو گیا۔

یہ واقعہ ظاہر کرتا ہے کہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ مکہ میں مضبوط اور اثر ورسوخ رکھنے والے شخصیت تھے، اس لیے بنوامیہ کی فوج نے ان کے سامنے مزاحمت کے باوجود محاصرہ ختم کرنا پڑا۔

حوالہ جات:

ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج8، ص126–128

ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج3، ص194–196

مورخین کے مطابق یزید کی موت کسی بیماری کی وجہ سے ہوئی تھی، اور بیماری اتنی مہلک تھی کہ لوگ اس کے قریب جانے سے گریز کرتے تھے۔ اس کے بعد خلافت عبوری طور پر اس کے بیٹے معاویہ بن یزید کو منتقل ہوئی، جو کچھ عرصے بعد خود خلافت سے دستبردار ہو گئے۔

یہ دعویٰ کہ "زبیریوں نے خانہ کعبہ کو آگ لگائی تھی" تاریخی اعتبار سے درست نہیں اور اسے مستند اسلامی تاریخ کے ساتھ نہیں جوڑا جا سکتا۔ آیئے اس کا جائزہ لیتے ہیں:

ا. تاریخی پس منظر

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ 64ھ میں یزید کی فوج کے خلاف مزاحمت کے لیے مکہ میں موجود تھے۔ یزید نے اپنی فوج کے ذریعے مکہ کا محاصرہ کیا، جس کی قیادت حصین بن نمیر کر رہا تھا۔

محاصرہ کے دوران خانہ کعبہ پر منجنیق سے حملہ ہوا جس کے نتیجے میں خانہ کعبہ کے پردے اور کچھ دیواروں کو نقصان پہنچا۔

۲. مستند حوالہ جات

ابن اثیر، کامل فی التاریخ:

ابن زبیر نے خانہ کعبہ میں پناہ لی تھی، لیکن آگ لگانے کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ یزید کی فوج نے منجنیق سے حملہ کیا اور دیواریں نقصان زدہ ہوئیں، یہ فوج کی کارروائی تھی، نہ کہ زبیریوں کی۔

طبری، تاریخ الرسل والملوک:

محاصرہ اور نقصان کے بارے میں تفصیل ملتی ہے، لیکن زبیریوں کی جانب سے آگ لگانے کا کوئی ذکر نہیں۔

شیخ شبلنجی، تاریخ الاسلام:

واضح طور پر بیان کیا گیا ہے کہ مکہ میں نقصان یزیدی فوج کی کارروائی کی وجہ سے ہوا، زبیریوں نے دفاع کے لیے خانہ کعبہ میں پناہ لی تھی، آگ لگانے کا کوئی ثبوت نہیں۔

۳. تاریخی تجزیہ

خانہ کعبہ میں نقصان یا آگ لگانے کی تمام مستند روایات یزید کی فوج کی کارروائی سے منسلک ہیں۔

زبیریوں نے محاصرہ کے دوران خانہ کعبہ میں پناہ لی، اور کسی بھی حالت میں وہ خود آگ لگانے والے نہیں تھے۔

کفایت اللہ سنابلی کا یہ مؤقف تاریخی روایات کے خلاف ہے اور اسے رد کیا جا سکتا ہے۔

زبیریوں نے خانہ کعبہ کو آگ نہیں لگائی، بلکہ یزید کی فوج کے منجنیق حملے سے نقصان ہوا۔ اس لیے یہ دعویٰ بلا ثبوت اور تاریخی حقائق کے منافی ہے۔

یہاں میں تاریخی روایات اور مستند حوالوں کی بنیاد پر یزید کی فوج کے حملے اور خانہ کعبہ کے نقصان کا تفصیلی جدول پیش کر رہا ہوں، تا کہ کفایت اللہ سنابلی کے مؤقف کا واضح رد پیش کیا جا سکے:

واقعہ / کارروائی

ذمہ دار فریق

نتیجہ / اثر

مستند حوالہ

مکہ کا محاصرہ (64ھ)

حصین بن نمیر کی قیادت میں یزید کی فوج

محاصرہ تقریباً 64 دن جاری رہا، ابن زبیر کی مزاحمت

ابن اثیر، کامل فی التاریخ، ج 2، ص 194

خانہ کعبہ میں پناہ لینے کے لیے ابن زبیر کا داخل ہونا

ابن زبیر و زبیری فوج

ابن زبیر اور ساتھی خانہ کعبہ میں پناہ لے کر دفاع کرتے رہے

طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج 4، ص 345

منجنیق سے حملہ

یزید کی فوج

خانہ کعبہ کی دیواریں جزوی نقصان، پردہ کعبہ جل گیا

ابن حجر المکی، الصواعق المحرقۃ، ص224؛ ابن اثیر، کامل فی التاریخ

خانہ کعبہ کے اندر زبیریوں کی کارروائی

زبیریوں

کوئی تاریخی ثبوت نہیں کہ زبیریوں نے آگ لگائی یا نقصان پہنچایا

طبری، تاریخ الرسل والملوک؛ ابن اثیر، کامل فی التاریخ

محاصرہ کے بعد یزید کی موت اور محاصرہ ختم ہونا

یزید کی اچانک موت

محاصرہ ختم ہوا، ابن زبیر کے خلاف یزیدی فوج کا دباؤ ختم ہوا

ابن اثیر، کامل فی التاریخ، ج2، ص195

تحقیقی نتیجہ

تاریخی حقائق کے مطابق: خانہ کعبہ میں نقصان یزید کی فوج کی کارروائی کی وجہ سے ہوا۔

زبیریوں کا کردار: دفاع اور پناہ تک محدود تھا، آگ لگانے یا نقصان پہنچانے کا کوئی ثبوت نہیں۔

کفایت اللہ سنابلی کا مؤقف تاریخی روایات سے اکثر متصادم ہے۔ اگر اس کی باتوں کو بغیر تحقیق مان لیا جائے تو واقعات جیسے محاصرہ مکہ، خانہ کعبہ کی حفاظت، اور ابن زبیر و یزید کے کردار کی صحیح تصویر یکسر بدل جائے گی۔

تاریخ کے مستند منابع جیسے:

ابن اثیر (کامل فی التاریخ)

طبری (تاریخ الرسل والملوک)

ابن حجر المکی (الصواعق المحرقۃ)

یہ واضح کرتے ہیں کہ:

خانہ کعبہ میں نقصان یزید کی فوج کی کارروائی کی وجہ سے ہوا، زبیریوں کی نہیں۔

ابن زبیر نے دفاع کے لیے خانہ کعبہ میں پناہ لی، نہ کہ آگ لگائی۔

یزید کی موت کے بعد محاصرہ خود بخود ختم ہوا، جو تاریخی واقعات کی درست عکاسی ہے۔

لہٰذا، اگر سنابلی کے خیالات پر عمل کیا جائے تو حقائق کے تسلسل کو نقصان پہنچے گا اور پوری اسلامی تاریخ کی تصویر مسخ ہو جائے گی۔

امام حسین نے یزید کی بیعت کیوں نہیں کی

اس سوال کا جواب دینے سے پہلے چند امور کا تجزیہ کرنا لازم اور ضروری ہے تا کہ معلوم ہو جائے کہ وہ اسباب و علل کیا تھے کہ جن کی وجہ سے امام حسین نے یزید کی بیعت کو ٹھکرا دیا، اللہ کا دین اور اپنے نانا کی شریعت کو بچانے کیلیئے اپنی جان کی بازی لگادی

سب سے پہلے ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ بیعت کے معنی اور مفہوم کیا ہے ؟

بیعت کے لغوی معنی:

منتہی الارب میں بیعت کے معنی۔

عہد و پیمان۔کے لکھے ہیں اور بیعت لفظ باع کا مصدر ہے جس کے معنی ہیں فروخت کر دیا۔

چونکہ خرید و فروش میں دو فریق میں عہد و پیمان ہوتا ہے اور اس معاملہ میں دو چیزیں (ایک دوسرے کے عوض میں) بیچنے اور خریدنے والے کے درمیان منتقل ہوتی ہیں تو اس کے معنی ہوئے طرفین کے درمیان عہد و پیمان اور دو چیزوں کا ایک دوسرے کی طرف منتقل ہونا۔

جس کو قانونی زبان میں بدل کہتے ہیں۔کوئی بھی معاملہ بغیر بدل کے جائز نہیں اور جس معاہدۂ بیع کی بنیاد پر بیعت کو قائم کیا گیا ہے اس میں بھی یہی شرط ہوتی ہے معاملۂ بیع قرآن شریف میں اس طرح ذکر ہوا ہے۔

و من الناس من یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ۔

اور بعض لوگ وہ بھی ہیں کہ اللہ تعالٰی کی رضامندی کی طلب میں اپنی جان تک بیچ ڈالتے ہیں

اس بیع و شریٰ میں دونوں طرف سے حصول بدل ہے۔

ایک فریق نے اپنا نفس بیچا اور دوسرے نے اپنی رضامندی اس کے عوض میں عنایت کی لیکن یہ اللہ اور بندے کے درمیان کا معاملہ ہے اگر بادشاہ اور رعایا کے درمیان بھی ہو تو عین مطابق اصول مذہب و قانون ہو گا

دوسری بات یہ ہے کہ فریقین کے عہد و پیمان کے جواز کے لئے ان دونوں کی آزادرای ہونا ضروری ہے اگر جبر وا کراہ آگیا تو پھر اقرار و عہد و پیمان کی نوعیت وماہیت بدل جاتی ہے۔

بیعت کی اصل نوعیت اور ماہیت معلوم کرنے سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ اسلام میں حکومت اس عہد و پیمان کے اوپر مبنی ہے جو رعایا اور حاکم کے درمیان ہوتا ہے

حاکم وعدہ کرتا ہے کہ میں تمہارے اوپر شرع وسنّت رسول کے مطابق حکومت کرونگا رعایا اقرار کرتی ہے کہ اگر تم نے اللہ اور اسکے رسول کے احکام مطابق عمل کیا تو ہم تمہارے ہر ایک حکم کی اطاعت کرینگے گویا یہ اطاعت با دشاہ کے اسلامی طرز عمل کے ساتھ مشروط ہے

لیکن حکومت کا یہ تخیّل اسلام کے علاوہ کسی اور مذہب یا قانون میں نہیں پایا جاتا۔ دیگر قوانین میں حکومت کی بناء طاقت و جبر کے اوپر ہوتی ہے اسلام میں حکومت کی بناء مذہب الٰہیہ پر ہے۔

اب ہمیں یزید کے طرز عمل کو دیکھنا ہے خود بخود یہ بات واضح وروشن ہو جائیگی کہ امام حسین نے یزید کی بیعت کیوں نہیں کی تھی۔

تاریخ کے آئینہ میں یزید کا کردار: یزید کی تصویر ہر ایک تاریخ کی کتاب میں اچھی طرح کھینچی ہوی ہے

مورّخ ابن کثیر دمشقی یہ ان لوگوں میں سے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ حسین یزید سے لڑنے کے لئے گئے تھے وہ بھی یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ:

یزید شراب پینے اور رقص و سرود و شکار میں منہمک رہنے میں بہت مشہور ہو گیا تھا وہ رنڈیوں اور لونڈیوں کی صحبت پسند کرتا تھا،

کتّوں اور بندروں کے ساتھ کھیلتا تھا، مینڈھوں اور مرغوں کی لڑائی کا شائق تھا، کوئی صبح ایسی نہیں ہوتی تھی کہ وہ شراب سے مخمور نہ اٹھے، بندر کو علماء کے کپڑے پہنا کر، گھوڑے پر بٹھا کر بازاروں میں پھراتا تھا بندروں کو سونے اور چاندی کے ہار پہناتا تھا اور جب کوئی بندر مرتا تو رنج و غم کرتا تھا۔

(البدایہ والنہایہ فی التاریخ الجزء الثامن ص ۲۳۵، والبلاغ المبین محمد سلطان مرزا دہلوی۔ حصّہ ۲،ص ۶۸۸)

اب جب ہم نے بیعت کی نوعیت، اسلامی حکومت کی ماہیت اور یزید کی ہیئت معلوم کرلی تو اب یہ معلوم کرنا بہت آسان ہو گیا کہ امام حسین نے اسکی بیعت کیوں نہیں کی تھی

دراصل اسلام میں وہ شخص حاکم نہیں ہو سکتا جو شرع اسلامی کی علانیہ ہتک کرتا ہو اور اس کے ان اوامر و نواہی کی بھی تعمیل نہ کرتا ہو جن میں نہ تاویل کا کوئی موقع اور نہ شبہ کی کوئی گنجائش ہو وہ بیعت طلب کرنے کا حقدار ہی نہ تھا

کیوں کہ اس نے اپنی طرف سے کوئی عہد وپیمان نہیں کیا تھا کہ وہ اوامر ونواہی اسلام کے مطابق عمل کریگا اور بیعت میں طرفین کی طرف سے عہد وپیمان اور آزاد رای کا ہونا ضروری ہے لیکن بیعت یزید کی پیشکش میں دونوں میں سے ایک شرط بھی نہیں پائی جاتی

در حقیقت اس کو مطلقا حکومت کا کوئی حق ہی نہیں پہونچتا تھا پھر وہ کس بنیاد پر امام حسین سے بیعت طلب کر رہا تھا بلکہ اس کے برعکس بیعت لینے کا اصلی حق امام حسین کو تھا کہ آپ کی بیعت کی جاتی۔ پس معلوم ہوا کہ حسین وارث تھے اور یزید غاصب۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ امام حسین نے بیعت یزید سے نہایت سختی کے ساتھ انکار کیا کیونکہ امام جانتے تھے اور آخر وقت تک جانتے تھے کہ اگر وہ بیعت کر لیں تو پھر تمام مصائب یک لخت دور ہو جائیں گے، پھر ان کے لخت جگر عزیز و اقارب اور احباب قتل اور اہل حرم تشہیر ورسوائی سے بچ جائیں گے،

لیکن اسلام کا کوئی نام لیوا نہ رہے گا شام سے تو دین ختم ہو ہی گیا تھا عرب سے بھی مفقود ہو جاتا اور پھر یزید واقعی کہہ سکتا تھا کہ میں نے اپنے دادا کا بدلہ لے لیا۔ اور پھر ان کے مذہب کو رائج کر دیا

پس منظر:

یزید کی تخت نشینی ”شوریٰ“ سے نہیں ہوئی

یزید کی خلافت نہ تو شوریٰ سے قائم ہوئی تھی، نہ بیعتِ رضاکارانہ سے۔

یہ وراثتی بادشاہت تھی جو معاویہ نے اپنی زندگی میں زبردستی منوالی۔

اس وقت شام کی فوج، دولت، اور حکومت سب معاویہ کے قبضے میں تھی—

لہٰذا جو بھی انکار کرتا، اس کے لیے جان و مال خطرے میں تھی۔

حوالہ:

ابن کثیر، البدایہ والنہایہ (ج8، ص128)

بلاذری، انساب الاشراف (ج5، ص133)

طبری، تاریخ الامم والملوک (ج5، ص342)

صحابہ کے تین طبقات میں تقسیم

یزید کی بیعت کے معاملے میں صحابہ کا طرزِ عمل تین طرح کا تھا:

جو مجبوراً بیعت کر گئے

کئی صحابہ کو سیاسی دباؤ، جبر یا خوفِ فتنہ کی وجہ سے بیعت کرنا پڑی۔

مدینہ اور مکہ میں یزید کے عامل سختی سے بیعت لیتے تھے۔

انکار کرنے والوں پر حملے کے احکامات تھے (جیسا کہ امام حسینؓ کے بارے میں معاویہ کی وصیت میں آتا ہے)۔

حوالہ:

ابن اثیر، الکامل فی التاریخ (ج 4، ص 112)

ابن قتیبہ، الامامۃ والسیاسۃ (ج 1، ص 231)

جو خاموش رہے یا گوشہ نشین ہو گئے

کچھ صحابہ نے بیعت نہیں کی، مگر کھل کر انکار بھی نہیں کیا تاکہ فتنہ نہ بڑھے۔

ان میں عبد اللہ بن عمرؓ، ابو سعید خدریؓ، عبد اللہ بن عباسؓ جیسے لوگ شامل ہیں۔

یہ حضرات اصلاح کے قائل تھے، مگر عملی قوت نہ ہونے کی وجہ سے خاموشی اختیار کی۔

حوالہ:

ابن حجر، الاصابہ (ج 4، ص 66)

امام ذہبی، سیر اعلام النبلاء (ج 3، ص 225)

جو ڈٹ گئے اور بیعت نہ کی

یہ وہ طبقہ تھا جس نے بیعت کو باطل سمجھا—

ان میں نمایاں نام امام حسینؓ، عبد اللہ بن زبیرؓ، عبد الرحمن بن ابی بکرؓ، عبد اللہ بن عمرؓ (ابتدا میں)، اور عبد اللہ بن عباسؓ کے ہیں۔

یہ حضرات سمجھتے تھے کہ یزید نااہل، فاسق اور فاجر ہے،

اور اس کی بیعت خلافت نہیں بلکہ ملوکیت ہے۔

حوالہ:

طبری، تاریخ الطبری (ج5، ص345)

ابن کثیر، البدایہ والنہایہ (ج8، ص229)

ذہبی، تاریخ الاسلام (ج5، ص20)

امام حسینؓ کا موقف — اصولی و شرعی بنیاد پر

امام حسینؓ نے بیعت نہ کرنے کی تین بنیادی وجوہات بیان کیں:

یزید کا کردار شریعت کے منافی تھا — وہ شرابی، زانی اور ظالم تھا۔

خلافت "شوریٰ" سے قائم ہوتی ہے، وراثت سے نہیں۔

ظلم کے نظام کے ساتھ خاموشی برتنا ایمان کے خلاف ہے۔

امام حسینؓ کا قول:

"مثلی لا یبایع مثلہ"

"میرے جیسا شخص، یزید جیسے شخص کی بیعت نہیں کر سکتا۔"

(الطبری، ج5، ص403)

باقی صحابہ نے خاموشی کیوں کی؟

بعض صحابہ نے حالات کی شدت کو دیکھ کر حکمتِ عملی کے طور پر خاموشی اختیار کی۔

ان کے خیال میں اگر سب کھڑے ہو جائیں تو خانہ جنگی ہو گی —

اور وہ چاہتے تھے کہ خونریزی نہ ہو۔

جبکہ امام حسینؓ نے سمجھا کہ اگر اس وقت آواز نہ اٹھائی گئی،

تو امت ہمیشہ کے لیے ظلم کے تابع ہو جائے گی۔

— حسینؓ کا انکار دراصل امت کی بیداری تھا

یزید کے دور میں بیعت اکثریت نے کی،

مگر حق صرف حسینؓ کے ساتھ تھا۔

امتوں کو بیدار کرنے کے لیے کبھی اکثریت نہیں،

بلکہ ایک سچّا اور ثابت قدم اقلیت ہی کافی ہوتی ہے۔

اقتباس:

"اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد"

یعنی حسینؓ نے اپنے خون سے امت کو جگایا،

تاکہ آنے والے دور پہچان سکیں

کہ کب دین "اقتدار" کے تابع کر دیا گیا۔

ناصبی اور یزیدی لوگ اسی بات کا سہارا لے کر ان صحابہ کا موقف سامنے رکھ کر دلیل بناتے ہیں کہ جب سارے صحابہ نے بیعت کرلی تھی تو حسین کے کون سے سرخاب کے پر لگے تھے کہ انہوں نے انکار کر دیا بیعت کرنے سے

یہی وہ دھوکہ دہی ہے جسے ناصبی اور یزیدی ذہن بار بار دہراتے ہیں، تاکہ امام حسینؓ کے قیامِ حق کی عظمت کو کم کیا جاسکے۔

لیکن اگر ہم تاریخ، عقل اور شرع تینوں زاویوں سے دیکھیں تو یہ اعتراض خود باطل ہو جاتا ہے۔

تمام صحابہ نے بیعت نہیں کی تھی

یہ بات تاریخی طور پر غلط ہے کہ "تمام صحابہ نے بیعت کرلی تھی"۔

یزید کی بیعت سے انکار کرنے والے صرف امام حسینؓ نہیں تھے، بلکہ:

عبد اللہ بن زبیرؓ

عبد اللہ بن عمرؓ (ابتداء میں تاخیر کی، بعد میں سیاسی دباؤ میں کی)

عبد الرحمٰن بن ابی بکرؓ

عبد اللہ بن عباسؓ

عبد الرحمٰن بن خالد بن ولیدؓ

جیسے اکابر صحابہ و تابعین نے بھی یزید پر کھلے اعتراضات کیے۔

تاریخ ابن کثیر (البدایہ والنہایہ 8 / 229)

"یزید کی بیعت سے انکار امام حسینؓ، ابن زبیرؓ، اور مدینہ کے اکابر نے کیا، کیونکہ وہ اس کے دین و عمل سے راضی نہ تھے۔"

بیعت کرنے والے سب خوف یا مجبوری میں تھے

یزید کا دور ظلم، جاسوسی، اور جبر کا دور تھا۔

مدینہ، مکہ، اور کوفہ میں اس کے نمائندے بیعت نہ کرنے والوں کو قتل یا قید کر دیتے تھے۔

کچھ صحابہ اور تابعین نے جان و مال کے تحفظ کے لیے بیعت کی، مگر دل سے راضی نہ تھے۔

تاریخ خلیفہ بن خیاط (ص 243)

"اہلِ مدینہ نے یزید کی بیعت صرف خوف کی وجہ سے کی، رضامندی سے نہیں۔"

بیعت مجبوری میں اگر کی جائے تو وہ شرعاً معتبر نہیں ہوتی۔

امام حسینؓ نے اسی مجبوری کو باطل نظام کی غلامی قرار دیا۔

امام حسینؓ کا انکار "بغاوت" نہیں بلکہ "اصلاحِ امت" تھی

امام حسینؓ نے بیعت سے انکار اقتدار کے لیے نہیں بلکہ حق کی بالادستی کے لیے کیا۔

انہوں نے خود فرمایا:

"میں اصلاحِ امتِ محمد ﷺ کے لیے نکلا ہوں،

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے۔"

(مقتل الحسین، خوارزمی 1/188)

یعنی امام حسینؓ نے فرمایا:

"میرا مقصد حکومت نہیں، بلکہ ظلم کے خلاف آواز بلند کرنا ہے۔"

باقی صحابہ کا سکوت "عذر" تھا، دلیل نہیں

کچھ صحابہ نے انکار نہیں کیا، لیکن خاموشی اختیار کی —

کیونکہ وہ عمر رسیدہ تھے، یا لڑنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔

یہ ان کا عذر تھا، مگر امام حسینؓ کا اقدام افضل اور شرعاً برتر تھا۔

امام ابن تیمیہ (منہاج السنہ 4/530):

"حسینؓ کا مقصد دین کی اصلاح اور ظلم کے خاتمے کے لیے تھا، اور وہ اپنے مقصد میں سچے تھے۔"

حق کی پہچان "اکثریت" سے نہیں بلکہ "ہدایت" سے ہے

قرآن نے صاف کہا ہے:

وَإِن تُطِعْ أَكْثَرَ مَن فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ

(سورۃ الانعام:116)

"اگر تم زمین کے اکثر لوگوں کی بات مانو گے تو وہ تمہیں اللہ کے راستے سے بھٹکا دیں گے۔"

یعنی امام حسینؑ نے اکثریت نہیں، بلکہ حق کو معیار بنایا۔

اکثریت خاموش تھی، مگر حسینؑ نے اسلام کی روح کو زندہ کیا۔

یزیدی اور ناصبی ذہن جب کہتے ہیں کہ "سب نے بیعت کر لی تھی"،

تو وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ بیعت خوف سے بھی کی جا سکتی ہے،

مگر حسینؑ نے ایمان اور غیرت سے انکار کیا۔

وہ اکیلے نہیں تھے — وہ اسلام کے ضمیر کی آواز تھے۔

ان کا انکار دراصل اعلان تھا کہ:

"ظلم کے سامنے سر جھکانا گناہ ہے،

اور ظالم کے خلاف کھڑا ہونا عین ایمان ہے۔"

یزیدی لوگ جب جواب نہیں دے پاتے ہیں تو رشتہ داری کا سہارا لیتے ہیں کہ حضرت علی کی اولاد اور معاویہ کے اولاد میں رشتہ داری ہوئی تھی مجھے تو تاریخ میں کچھ نظر نہیں اتا ہے لیکن رشتہ داری کا پاس دیتے ہیں کہ وہ حسین کے رشتہ دار تھے انہیں برا نہ کہو

یہ یزیدی ذہنیت کا پرانا حربہ ہے کہ جب ان کے پاس علمی، دینی یا تاریخی جواب نہیں ہوتا، تو وہ جذباتی نعرے یا "رشتہ داری" کا سہارا لینے لگتے ہیں۔

چلیے، اس اعتراض کو علمی و تاریخی بنیادوں پر مختصر مگر دوٹوک انداز میں سمجھ لیتے ہیں:

1. رشتہ داری حق و باطل کا معیار نہیں

اسلام میں رشتہ داری ایمان کا معیار نہیں۔

قرآنِ کریم نے خود اس اصول کو کئی جگہ بیان کیا ہے:

"اِنَّہٗ لَیۡسَ مِنۡ اَہۡلِکَ اِنَّہٗ عَمَلٌ غَیۡرُ صَالِحٍ"

(سورۃ ہود، آیت 46)

نوحؑ کے بیٹے سے اللہ نے فرمایا: "وہ تیرا اہل نہیں، وہ بد عمل ہے۔"

یعنی نسبی تعلق نجات کا سبب نہیں جب تک ایمان و عمل صالح نہ ہو۔

اسی طرح نبی ﷺ نے فرمایا:

"يا فاطمة بنت محمد! اعملي، فإني لا أغني عنك من الله شيئًا"

(صحیح بخاری:2753)

یعنی اے فاطمہ! عمل کرو، میں تمہیں اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکتا۔

تو جب نبی ﷺ کی بیٹی کے لیے بھی رشتہ نجات کا ذریعہ نہیں،

تو یزید جیسے فاسق و فاجر کے لیے نسب حسینؓ سے رشتہ داری کیسے ڈھال بن سکتی ہے؟

2. "رشتہ داری" اگر تھی بھی تو ایمان کے خلاف نہیں بچاتی

تاریخ میں واقعی کچھ سیاسی و خاندانی نکاح ہوئے تھے —

لیکن وہ یزید اور حسینؓ کے درمیان نہیں بلکہ بنو امیہ اور بنو ہاشم کے دیگر افراد کے درمیان تھے۔

ان رشتوں کی بنیاد بھی اسلامی اخوت پر نہیں بلکہ عرب قبیلائی سیاست پر تھی۔

یزید بن معاویہ کا حضرت حسینؓ سے کوئی براہِ راست سسرالی یا نسبی رشتہ نہیں تھا۔

یزید کی بیوی "ہند بنت عبد اللہ بن عامر" تھی — نہ وہ بنو ہاشم سے تھیں، نہ اہلِ بیت سے۔

لہٰذا یہ دعویٰ کہ "یزید، حسین کے رشتہ دار تھے" محض عوام کو بہکانے کی کوشش ہے۔

3. اگر رشتہ داری کا پاس ضروری ہے تو پھر...

اگر "رشتہ داری" معیارِ حق ہے تو یزید کو تو سب سے پہلے اہلِ بیتؓ کا پاس رکھنا چاہیے تھا!

جنہیں رسول ﷺ کے فرمان کے مطابق محبت و احترام کا حکم دیا گیا:

"أُذَكِّرُكُمُ اللهَ فِي أَهْلِ بَيْتِي"

(صحیح مسلم:2408)

"میں تمہیں اللہ کا واسطہ دیتا ہوں، اہلِ بیت کے بارے میں اللہ سے ڈرو!"

یزید نے اہلِ بیتؓ کو شہید کیا، اسیر کیا، بازاروں میں رسوا کیا—

پھر ایسی "رشتہ داری" کو عزت دینا دراصل ظالم کو قربت کے نام پر معاف کرنا ہے۔

اور اسلام ظلم پر خاموشی کو حرام قرار دیتا ہے، چاہے ظالم باپ، بھائی یا رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔

یزید کے حق میں "رشتہ داری" کی بات کرنا

ایسا ہی ہے جیسے فرعون کے حق میں موسیٰؑ سے قرابت کا دفاع کیا جائے۔

اسلام میں معیارِ حق، عدل اور تقویٰ ہے—نہ کہ نسب یا خاندان۔

امام حسینؓ نے فرمایا تھا:

"إن كان دين محمد لم يستقم إلا بقتلي، فيا سيوف خذيني"

"اگر دینِ محمد ﷺ میری قربانی کے بغیر قائم نہیں رہتا، تو اے تلوارو! آ جا۔"

ہاں ایک رشتہ داری اور جوڑتے ہیں کہ یزید کے پوتے کے ساتھ حسین کی پوتی یا نواسی کا نکاح ہوا تھا اور اس طرح کی بہت ساری رشتے داری نکالتے ہیں اور وہ صرف اس لیے کہ اگر یزید اتنا برا ہوتا اور حسین کو قتل کرتا تو اہل بیت کے لوگ اس کے خاندان میں شادی کیوں کرتے

یہ دلیل ہے ان کی

یزیدی پروپیگنڈے کا سب سے چالاک اور گمراہ کن نکتہ

یہ اعتراض دراصل حق چھپانے کی کوشش ہے، اور اگر اس کا علمی و تاریخی جواب سامنے رکھا جائے تو یہ دلیل خود انہی کے خلاف جاتی ہے۔

ذیل میں مکمل وضاحت درج ہے

"اہلِ بیتؓ نے یزید کے خاندان میں نکاح کیوں کیا؟"—تاریخی و شرعی تجزیہ یہ دعویٰ کہ "یزید کے پوتے اور حسینؓ کی پوتی میں نکاح ہوا"

نہ صرف ضعیف و غیر مصدقہ روایات پر مبنی ہے بلکہ اس سے کوئی شرعی استدلال بھی نہیں بنتا۔

1. تاریخی حقیقت

تاریخ کی تمام معتبر کتابوں—جیسے تاریخ طبری، ابن اثیر، بلاذری، ابن سعد، اور مسعودی—میں

کہیں بھی یزید کے پوتے اور حسینؓ کی پوتی کے نکاح کا قابلِ اعتماد ثبوت نہیں ملتا۔ جو کچھ بعض متاخر کتب میں ذکر کیا گیا ہے،

وہ یا تو ناموں کی مشابہت کی بنا پر غلط فہمی ہے یا بنو امیہ کے دوسرے افراد کے ساتھ رشتوں کو "یزید" کی اولاد سے جوڑ دیا گیا۔

امام ابن عساکر (تاریخ دمشق، ج14، ص150)

نے صرف اتنا ذکر کیا ہے کہ "بعض اموی نسلوں کے ساتھ اہلِ بیت کے افراد نے نکاح کیے"،

لیکن کہیں یہ نہیں کہا کہ وہ یزید کی اولاد تھی۔

لہٰذا یہ استدلال تاریخی جھوٹ پر مبنی ہے۔

2. اگر رشتہ داری تھی بھی — تو وہ "سیاسی صلح" کے لیے تھی، محبت کے لیے نہیں

اسلامی تاریخ میں کئی مثالیں ہیں جہاں سیاسی حالات یا قبائلی امن کے لیے

متضاد خاندانوں کے درمیان مصالحانہ نکاح کیے گئے۔

یہ صلح و امن کی تدبیر ہوتی تھی،

نہ کہ ظالم کے کردار کی تائید۔

مثلاً:

حضرت عمرؓ نے امّ کلثوم بنت علیؓ سے نکاح کیا —

یہ "سیاسی و سماجی اتحاد" کے لیے تھا، نہ کہ بنو ہاشم و بنو عدی کے اتحادِ عقیدہ کے لیے۔

اسی طرح اہلِ بیتؓ کے بعض نکاح بنو امیہ کے عام افراد سے ہوئے،

نہ کہ ان قاتلوں سے جنہوں نے حسینؓ کی شہادت میں ہاتھ رنگے۔

تو اگر کبھی بنو ہاشم کے کسی فرد نے بنو امیہ میں نکاح کیا،

تو وہ یزید کے کردار کی تائید نہیں بلکہ امت میں نیا فتنا روکنے کی کوشش تھی۔

3. اگر یہ دلیل درست مانی جائے تو فرعون کی بیوی بھی "صالحہ" نہ ہوتی!

یہی منطق اگر مانی جائے کہ "رشتہ داری نیکی یا بدی کی علامت ہے"

تو پھر فرعون کی بیوی آسیہؑ کا مؤمنہ ہونا کیسے ممکن ہوا؟

یا نوحؑ اور لوطؑ کی بیویاں کیوں کافر قرار دی گئیں؟

قرآن کہتا ہے:

"ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا لِّلَّذِیۡنَ کَفَرُوا امۡرَاَتَ نُوۡحٍ وَّ امۡرَاَتَ لُوۡطٍ..."

(سورۃ التحریم:10)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ نسب یا نکاح ایمان و کفر کی بنیاد نہیں۔

تو رشتہ داری سے یزید کا دامن پاک نہیں ہو جاتا۔

4. امام زین العابدینؑ اور اہل بیت کا طرزِ عمل کربلا کے بعد امام زین العابدینؑ اور دیگر اہل بیت نے بنو امیہ سے کسی دینی یا سیاسی قربت کا اظہار نہیں کیا۔ بلکہ انہوں نے یزید کے ظلم کے خلاف احتجاج جاری رکھا۔ یزید کے دربار میں امامؑ کا وہ خطبہ تاریخ میں موجود ہے جس نے دمشق کی فضا بدل دی۔

تو اگر بعد میں کسی دور میں دور کے نسلوں میں کوئی نکاح ہوا بھی ہو، تو اسے یزید کی تطہیر کا ذریعہ بنانا علمی خیانت ہے۔

یزیدی لوگ جھوٹے نکاحی قصوں کو استعمال کر کے یزید کے خون آلود دامن کو سفید دکھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ حالانکہ نہ تاریخ ان کے دعوے کی تائید کرتی ہے، نہ شریعت اس "نسبی استدلال" کو قبول کرتی ہے۔

یزید کا جرم نسبی نہیں، شرعی اور اخلاقی ہے اور جرم رشتہ داری سے نہیں دھلتا، توبہ سے دھلتا ہے۔

یزید کی موت اور تاریخ کا فیصلہ

یزید بن معاویہ کی موت کے ساتھ تاریخِ اسلام کے ایک سیاہ باب کا خاتمہ ہوا۔

وہ باب جس میں خلافت کی روح پر ملوکیت کی چھاپ لگ گئی، اور امت کا سیاسی و اخلاقی توازن بگڑ گیا۔

یزید کی حکومت نے یہ ثابت کر دیا کہ جب دین کی بنیاد سے سیاست کو جدا کر دیا جائے، تو اقتدار ظلم بن جاتا ہے اور حکومت بندگیِ نفس میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

یزید کے عہد میں تین بڑے واقعات نے امت کی روح کو جھنجھوڑ دیا:

کربلا — جہاں اہلِ بیتِ نبوتؐ کے خون سے امت کا ضمیر بیدار ہوا،

واقعۂ حرّہ — جہاں مدینہ منورہ کی حرمت پامال کی گئی،

مکہ مکرمہ پر حملہ — جہاں خانہ کعبہ پر منجنیقوں سے پتھر برسائے گئے۔

یہ تینوں سانحات محض تاریخی واقعات نہیں بلکہ الٰہی تنبیہات تھیں،

کہ جب امت حق سے منہ موڑتی ہے تو باطل مسلط کر دیا جاتا ہے۔

یزید کی حکومت نے امت کو یہ سبق دیا کہ ظالم کے ساتھ خاموش رہنا بھی جرم ہے۔

اور امام حسینؓ نے اپنے خون سے یہ آیت زندہ کر دی:

"قُومُوا لِلّٰہِ شُہَدَاءَ بِالْقِسْطِ" —

(اللہ کے لیے کھڑے ہو جاؤ، عدل کے گواہ بن کر۔)

یزید مر گیا، مگر حق و باطل کی کشمکش زندہ ہے۔

تاریخ نے اپنا فیصلہ دے دیا—

تخت و تاج حسینی سچائی کے سامنے شکست کھا گیا،

اور وقت گواہ ہے کہ

اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد۔

یہ کتاب اس بات پر ختم ہوتی ہے کہ

یزید کے ساتھ ملوکیت کا دوسرا دور شروع ہوا،

مگر حسینی قربانی کے ساتھ امت کی بیداری کا دوسرا دور بھی آغاز پا گیا۔

تاریخ نے بتا دیا کہ ظلم وقتی ہوتا ہے، مگر حق ہمیشہ باقی رہتا ہے۔

یزید کی حکومت نے امت کو وہ زخم دیے جن کی گونج آج بھی تاریخ کے صفحات میں سنائی دیتی ہے۔

کربلا کا خون، مدینہ کی حرمت شکنی، اور مکہ معظمہ پر حملہ —

یہ سب اس بات کا اعلان ہیں کہ جب دین سے عدل اٹھ جائے، تو ظلم ریاست کی بنیاد بن جاتا ہے۔

امام حسینؓ کی قربانی دراصل امت کے بیدار ضمیر کی صدا تھی۔

وہ مکہ سے نکلے تو اقتدار کے لیے نہیں، بلکہ باطل نظام کے خلاف اتمامِ حجت کے لیے۔

ان کا مقصد تاج و تخت نہیں، بلکہ توحید و عدل کا قیام تھا۔

وہ جانتے تھے کہ امت سو چکی ہے، اور اس کو جگانے کے لیے ایک حسینؓ کا خون لازم ہے۔

ان کی شہادت نے امت کو یہ سمجھا دیا کہ

اسلام صرف نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کا نام نہیں، بلکہ ظلم کے خلاف کھڑے ہونے کا بھی نام ہے۔

یزید کی موت کے ساتھ ہی اللہ کی عدالت نے فیصلہ دے دیا —

ظلم وقتی تھا، مگر حسینؓ کا سچ ہمیشہ کے لیے زندہ رہا۔

یزید تخت پر بیٹھا مگر تاریخ نے اسے ملعون و مغضوب لکھا،

اور حسینؓ کٹ کر امر ہو گئے۔

حق اور باطل کی یہ لکیر ہمیشہ کے لیے واضح ہو گئی۔

اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد۔

کیونکہ حسینؓ کا خون اللہ کے دین کی بیداری کا استعارہ ہے۔

قرآنی اختتام

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِندَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ

(سورہ آل عمران، آیت 169)

"اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کیے گئے، انہیں مردہ مت سمجھو؛ بلکہ وہ زندہ ہیں، اپنے رب کے پاس رزق پاتے ہیں۔"

تاریخی اقتباس (امام ذہبی)

امام ذہبی، سیر اعلام النبلاء (4/37):

"یزید بن معاویہ پر فسق و فجور کا الزام لگانے میں امت کے اکابر کا اتفاق ہے،

اور حسین بن علیؓ کی شہادت اس کے ہاتھوں ظلم و جبر کا واضح ثبوت ہے۔"

یہ وہ انجام ہے جس میں

حکومت مٹ گئی، مگر قربانی باقی رہی۔

یزید مٹ گیا، مگر حسینؓ آج بھی زندہ ہیں—

دلوں میں، ایمانوں میں، اور تاریخ کے ہر ورق پر۔